تدبرِ قرآن

۱۲

یوسف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۔ سورہ کا عمود

سورتوں کا یہ گروپ سورۂ یونس سے شروع ہوا ہے۔ ہم اس پورے گروپ کے عمود پر، سورۂ یونس کی تفسیر کی تمہید میں، ایک جامع تبصرہ کر چکے ہیں۔ یہاں ہم اس کا ضروری حصہ نقل کیے دیتے ہیں تاکہ ذہن میں بات تازہ ہو جائے ہم نے لکھا ہے۔

"اس پورے گروپ کی تلاوت، تدبر کے ساتھ، بار بار کیجیے تو آپ نہایت واضح طور پر محسوس کریں گے کہ گروپ کی تمام سورتوں میں مشترک حقیقت، جو مختلف پہلوؤں اور اسلوبوں سے واضح فرمائی گئی ہے، یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے حق و باطل کے درمیان جو کشمکش برپا ہو چکی ہے وہ بالآخر پیغمبرؐ اور اس پر ایمان لانے والوں کی کامیابی و فتح مندی اور قریش کی ذلت و ہزیمت پر منتہی ہوگی۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ اس میں قریش کے لیے انذار اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کے لیے بشارت ہے۔ قریش پر عقل و فطرت، آفاق و انفس کے دلائل اور تاریخ و نظام کائنات کے شواہد سے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ جو حق تمہارے پاس آچکا ہے اس کی مخالفت میں اگر تمہاری یہی روش قائم رہی تو بہت جلد وہ وقت آرہا ہے جب تم اس کا انجام بد اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔"

"اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو صبر و استقامت اور تقویٰ کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ جس حق کو لے کر تم اٹھے ہو انجام کار کی کامیابی و فیروزمندی اسی کا حصہ ہے۔ البتہ سنت الٰہی یہ ہے کہ حق کو غلبہ اور کامیابی کی منزل تک پہنچنے کے لیے آزمائش کے مختلف مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے، ان مرحلوں سے لامحالہ تمہیں بھی گزرنا ہے۔ اگر یہ مرحلے تم نے عزیمت و استقامت کے ساتھ طے کر لیے تو دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی تمہارا ہی حصہ ہے۔

یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ ویضل اللہ الظلمین

(ابراہیم - ۲۷)

اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے سورۂ یونس اور سورۂ ہود دونوں میں، جیسا کہ آپ نے دیکھا، حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کی سرگزشتیں تفصیل سے سنائی گئی ہیں اور سورۂ ہود کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ان سرگزشتوں کے سنانے کا یہ مقصد بیان فرمایا گیا ہے۔

وکلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت به فؤادک وجاءک فی هذه الحق و

اور ہم رسولوں کی سرگزشتوں میں سے تمہیں وہ سب سنا رہے ہیں جس سے تمہارے دل کو مضبوط کریں اور ان میں

مَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَ	تمہارے لیے بھی حق واضح ہوا ہے اور ایمان لانے والوں
قُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا	کے لیے بھی ان میں موعظت اور یاددہانی ہے اور جو
عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۭ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۝	ایمان نہیں لا رہے ہیں ان سے کہہ دو کہ تم اپنی جگہ پر
وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝	کام کرو، ہم اپنی جگہ پر کام کر رہے ہیں اور تم بھی انتظار
(ھود - ۱۲۰ - ۱۲۲)	کرو، ہم بھی منتظر ہی ہیں۔

ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

بعینہٖ یہی مقصد اس سرگزشت کا بھی ہے جو سورۂ یوسف میں مذکور ہوئی ہے۔ بس یہ فرق ہے کہ پچھلی سورتوں میں متعدد انبیاء کی سرگزشتیں سنائی گئی ہیں، اس میں ایک ہی سرگزشت نے پوری سورہ کو گھیر لیا ہے اور اس کو احسن القصص (بہترین سرگزشت) سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور آخر میں خلاصۂ سرگزشت ان الفاظ میں سامنے آیا ہے۔

اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ	بے شک جو تقویٰ اختیار کریں گے اور ثابت قدم رہیں گے
الْمُحْسِنِيْنَ (یوسف - ۹۰)	تو اللہ ایسے خوب کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرے گا۔

گویا سورہ ہود کے بعد سورۂ یوسف اسی حقیقت کو مبرہن کرنے کے لیے ایک تاریخی شہادت ہے جو سورۂ ہود کی مندرجہ بالا آیت میں مذکور ہوئی ہے اور یہ شہادت ایک بہترین شہادت ہے جو ایک بہترین سرگزشت میں نمایاں ہوئی ہے۔

ج۔ قصۂ یوسف (علیہ السلام) کے احسن القصص ہونے کے بعض وجوہ

قصۂ یوسف کا احسن القصص ہونا اس پہلو سے تو نہایت واضح ہے کہ ہر پڑھنے والا اس کے اندر اپنے ایمان کے لیے غذا اور اپنی روح کے لیے لذت و حلاوت محسوس کرتا ہے لیکن اس کے بعض پہلوؤں کی طرف ہم بھی یہاں اشارہ کیے دیتے ہیں تاکہ جو لوگ اس کے محاسن کو گرفت میں لینے کا شوق رکھتے ہوں ان کی کچھ رہنمائی ہو سکے۔

ہمارے نزدیک اس کے احسن القصص ہونے کے مندرجہ ذیل پہلو خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

۱۔ یوں تو قرآن میں حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کے درمیان کشمکش کے جتنے واقعات بھی بیان ہوئے ہیں سب ہی عبرت و رہنمائی کے لیے بیان ہوئے ہیں کہ ماضی کی ان سرگزشتوں سے حاضر اور مستقبل کے حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے سبق حاصل کیے جائیں لیکن خاص طور پر حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کی یہ سرگزشت تو گویا ایک آئینہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے وہ تمام حالات دکھا دیے گئے جو آپ کی قوم کے ہاتھوں آپ کو پیش آنے تھے۔

تفصیلات میں جانے کا یہاں موقع نہیں ہے۔ چند نمایاں واقعات کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہوگا۔

دارالندوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے مشورے اور اس شر سے حضورؐ کا محفوظ رہنا۔ غارِ ثور میں حضورؐ کا چھپنا اور پھر مدینہ کو ہجرت فرمانا۔ مدینہ پہنچ کر آہستہ آہستہ آپؐ کو وہ وقار و اقتدار حاصل ہونا کہ چشمِ فلک نے اس کی نظیر نہیں دیکھی۔ آپ کی قوم کے باایمان لوگوں کا مدینہ کو ہجرت کرنا اور وہاں ایک طاقتور حکومت کا قیام۔ اس حکومت کا عروج اور اہلِ مکہ کا اس کی اطاعت میں داخل ہونا۔ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی قوم کے لوگوں سے یہ سوال کہ لوگو، بتاؤ، میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟ وہ بولے کہ 'آپ شریف بھائی اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں'۔ ان کے اس جواب کے بعد آپ نے فرمایا 'میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی، جاؤ تم آزاد ہو، تم پر کوئی الزام نہیں'۔ .... ان تمام واقعات کو ذہن کے سامنے رکھتے ہوئے سورۂ یوسف کا تدبر کے ساتھ مطالعہ کیجیے تو یہ ساری سرگزشت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر یوں منطبق ہوتی ہے کہ گویا

جامہ بود کہ بر قامت او دوختہ بود

۲۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حاضر و مستقبل اس آئینہ میں بالکل مصور و ممثل دیکھ لیا اسی طرح آپؐ کے دشمنوں نے بھی، کم از کم جو ذہین رہے ہوں گے، اس قصہ کے پیرایہ میں اپنی عاقبت دیکھ لی ہوگی اور اس کا بھی امکان ہے کہ جن کے اندر صلاحیت رہی ہوگی وہ اس سے متاثر بھی ہوئے ہوں گے۔ حالانکہ اگر یہی باتیں صریح الفاظ میں کہی جاتیں تو اس سے فائدہ پہنچنے کی بجائے الٹا نقصان پہنچتا۔ ایک لطیف قصہ کے پردے میں لوگ جو کچھ ہضم کر جاتے ہیں وہ کھلے ہوئے وعظ کی شکل میں کبھی قبول نہیں کرتے۔

۳۔ عام طور پر لوگ ان قصوں سے بہت دلچسپی لیتے ہیں جن میں کچھ چاشنی حسن و عشق کی ہو لیکن ایسے قصے بالعموم اخلاق کو بگاڑنے والے ہوتے ہیں۔ اس قصہ کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں حسن و عشق کی چاشنی بھی ہے اور پھر پوری سرگزشت ہر پہلو سے حضرت یوسفؑ کے اعلیٰ کردار و صفات کا ایک مرقع ہے۔ جو مواقع خاص آزمائش کے آئے ہیں ان میں حضرت یوسفؑ نے اپنی اعلیٰ فطرت کے جو جوہر نمایاں کیے ہیں وہ ایسے شاندار ہیں کہ ہر پڑھنے والے کے اندر ان کی تقلید کا جذبہ ابھرتا ہے اور خاص بات یہ ہے کہ یہ تقلید ناممکن نہیں بلکہ ممکن محسوس ہوتی ہے۔

۴۔ یہ پہلو بھی اس سرگزشت کا نہایت دلکش ہے کہ باوجودیکہ جو واقعات و حالات پیش آئے وہ نہایت حیرت انگیز ہیں لیکن کوئی بات بے ربط اور رفتار حالات سے بے جوڑ نہیں معلوم ہوتی۔ ذہن بے تکلف اس کو قبول کر لیتا ہے اور ان کی فطری صداقت سے ہر سننے والا اپنی صلاحیت کے مطابق متاثر ہوتا ہے۔

۵۔ حضرت یوسفؑ حسنِ ظاہر اور حسنِ باطن دونوں کے جامع تھے لیکن ان کا اصلی حسن ان آزمائشوں میں نمایاں ہوا ہے جو ان کی زندگی کے مختلف مراحل میں پیش آئی ہیں۔ وہ بیک وقت ذہانت، پاکیزگی، نبوت، بادشاہی، بلند ہمتی اور قدرت کے ساتھ عفو و درگزر کی ایک زندہ جاوید مثال ہیں۔

یہ چند نمایاں پہلوؤں کی طرف یہاں ہم نے اشارہ کر دیا ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس قصہ کی حکمت بس

انھیں چند باتوں تک محدود ہے۔ آگے اثنائے قصہ میں کتنے نوادرِ حکمت آئیں گے جن کی وضاحت ان کے محل ہی میں مناسب رہے گی۔ اس تمہیدی بحث کے بعد اب ہم اللہ کا نام لے کر سورہ کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔

سُورَۃُ یُوسُف (۱۲)

مَکِّیَّۃٌ —— اٰیَاتُھَا ۱۱۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آیات ۱-۶

الٓرٰ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۱﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۲﴾ نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡکَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ٭ۖ وَ اِنۡ کُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِہٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِیۡنَ ﴿۳﴾ اِذۡ قَالَ یُوۡسُفُ لِاَبِیۡہِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیۡ رَاَیۡتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوۡکَبًا وَّ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ رَاَیۡتُہُمۡ لِیۡ سٰجِدِیۡنَ ﴿۴﴾ قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقۡصُصۡ رُءۡیَاکَ عَلٰۤی اِخۡوَتِکَ فَیَکِیۡدُوۡا لَکَ کَیۡدًا ؕ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۵﴾ وَ کَذٰلِکَ یَجۡتَبِیۡکَ رَبُّکَ وَ یُعَلِّمُکَ مِنۡ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ وَ یُتِمُّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکَ وَ عَلٰۤی اٰلِ یَعۡقُوۡبَ کَمَاۤ اَتَمَّہَا عَلٰۤی اَبَوَیۡکَ مِنۡ قَبۡلُ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اِسۡحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴿۶﴾ ع ۱ / ۱۱

ترجمہ آیات ۱-۶

یہ الف، لام، را ہے۔ یہ واضح کتاب کی آیات ہیں۔ ہم نے اس کو عربی قرآن بنا کر اتارا تاکہ تم سمجھو۔ ۱-۲

ہم تمھیں ایک بہترین سرگزشت سناتے ہیں اس قرآن کی بدولت جو ہم نے تمھاری طرف وحی کیا۔ اس سے پہلے بے شک تم اس سے ناآشنا تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب یوسفؑ نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا جان! میں نے خواب میں گیارہ ستارے اور سورج اور چاند دیکھے، میں

نے ان کو دیکھا کہ وہ میرے آگے سربسجود ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ اے میرے بیٹے تم اپنے اس خواب کو اپنے بھائیوں کو نہ سنانا کہ وہ تمھارے خلاف کسی سازش میں لگ جائیں۔ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے اور اسی طرح تمھارا رب تمھیں برگزیدہ کرے گا اور تمھیں باتوں کی حقیقتوں تک پہنچنا سکھائے گا اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت تمام کرے گا جس طرح اس نے اس سے پہلے تمھارے اجداد ابراہیمؑ اور اسحاقؑ پر اپنی نعمت تمام کی۔ بے شک تمھارا رب بڑا ہی علیم و حکیم ہے۔ ۲-۶

۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿١﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (۱-۲)

سورہ کا قرآنی نام

'الٓرٰ' یہ اس سورہ کا قرآنی نام ہے۔ یہی نام سورہ یونس اور سورہ ہود کا بھی ہے۔ نام میں اصل مقصود تسمیہ ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ان کے معانی کی کھود کرید کی ضرورت نہیں ہے۔ بس اتنی بات یاد رکھنی چاہیے کہ ناموں کا اشتراک معانی و مطالب کے اشتراک کی دلیل ہوتا ہے۔ سو یہ چیز، جیسا کہ ہم پچھلی دونوں سورتوں کی تفسیر میں اشارہ کر آئے ہیں، ان سب سورتوں میں موجود ہے۔ ان میں اصل موضوع بحث ایک ہی ہے البتہ انداز بحث اور مواد استدلال ہر ایک میں الگ الگ ہے۔

'کتاب مبین' کا مفہوم

'تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ'۔ 'کتاب مبین'، وہ کتاب جو اپنے بیان و استدلال میں بالکل واضح ہو، جس کی ہر بات ناقابل انکار دلائل سے مبرہن ہو، جس کا انداز بحث و نظر دل نشین، طمانیت بخش اور تمام الجھنوں کو دور کر دینے والا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اس کتاب کی صداقت کی گواہی کے لیے کسی خارجی معجزے یا نشانی کی ضرورت نہیں ہے، جیسا کہ منکرین مطالبہ کر رہے ہیں، بلکہ اس کی حقانیت و صداقت کے سورج کی طرح روشن دلائل خود اس کے اندر ہی موجود ہیں بشرطیکہ لوگ کان کھول کر اس کو سنیں اور اس کے دلائل پر غور کریں۔

اہل عرب پر عظیم احسان

'اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ'۔ خطاب اہل عرب سے عموماً اور قریش سے خاص طور پر ہے کہ اللہ کا تم پر عظیم احسان ہوا ہے کہ اللہ کی یہ سب سے بڑی نعمت تمھاری عربی زبان میں نازل ہوئی ہے تاکہ تم اس کو سمجھو، اس کی قدر کرو اور اس کو دوسروں تک پہنچاؤ اور ان کو سمجھاؤ۔ یہ اس کتاب کے کتاب مبین ہونے کا ایک پہلو ہے اور اس میں قریش کے لیے ایک دھمکی بھی ہے کہ اگر تم نے اس نعمت کی قدر نہ کی تو تم سے بڑا بدقسمت بھی کوئی اور نہ ہوگا، یہ جتنی بڑی نعمت ہے اتنی ہی بڑی نقمت کے سزاوار ٹھہرو گے اگر تم نے اس کی قدر نہ کی۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ (۳)

'احسن القصص' کا مفہوم

'أَحْسَنَ الْقَصَصِ' میں قصص، قصہ اور سرگزشت کے معنی میں ہے۔ مصدر یعنی قصہ بیان کرنے کے معنی میں نہیں ہے۔ اگر مصدر کے معنی میں ہوتا تو زبان کے معروف استعمال کے مطابق اس پر الف لام نہ آتا بلکہ 'احسن قصص' ہوتا۔ اس وجہ سے ہمارے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم تمھیں بہترین قصہ سناتے ہیں۔ یہ معنی اس کے صحیح نہیں ہیں کہ ہم تمھیں بہترین پیرایہ میں سناتے ہیں۔ قرآن کے نظائر سے اسی کی تائید ہوتی ہے، مثلاً سورۂ اعراف میں ہے فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (پس ان کو سرگزشت سناؤ تاکہ وہ غور کریں) سورۂ قصص میں ہے فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ (پس جب وہ اس کے پاس آیا اور اس کو سرگزشت سنائی) ہمارے نزدیک 'احسن القصص' اسی طرح کی تالیف کلام ہے جس کی نظیر قرآن میں 'اللّٰهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ۔ ۲۳ زمر' (اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے) ہے۔ یہ امر بھی یہاں قابلِ توجہ ہے کہ 'احسن القصص' کو مصدر کے معنی میں لینے کی صورت میں مفعول غائب ہو جاتا ہے درانحالیکہ فعل اپنے مفعول کا متقضی ہے اور قرآن میں ہر جگہ یہ اپنے مفعول کے ساتھ ہی آیا ہے۔

یہ چند اشارات تالیف کلام سے متعلق ہیں۔ رہا یہ سوال کہ حضرت یوسف کی اس سرگزشت کو 'احسن القصص' سے کیوں تعبیر فرمایا گیا ہے تو اس کے بعض پہلو ہم اپنے تمہیدی مباحث میں واضح کر چکے ہیں اور بعض کی طرف ہم آگے ان کے محل میں انشاء اللہ اشارہ کریں گے۔

ایک سرگزشت آنحضرت صلعم کے لیے بمنزلہ آئینہ

اوپر کی آیات میں خطاب عام ہے اور اس کی نوعیت، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، قریش کو تنبیہ کی تھی۔ اب اس آیت سے روئے سخن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف براہِ راست ہو گیا ہے۔ آپ کو خطاب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ ہم تمھیں ایک بہترین سرگزشت سنا رہے ہیں اور یہ سرگزشت اس قرآن کی بے شمار برکتوں میں سے ایک برکت ہے جو ہم تمھاری طرف وحی کر رہے ہیں، اس سے پہلے تم اس سے بالکل ناآشنا تھے۔

یہاں غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اس سرگزشت کے دو نہایت اہم پہلو آپ کے سامنے واضح کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ احسن القصص ہے، دوسرا یہ کہ یہ آپ کی رسالت کی ایک نہایت واضح دلیل ہے۔ جہاں تک اس کے احسن القصص ہونے کا تعلق ہے اس کی وضاحت ہم پیچھے کر چکے ہیں۔ ایک سرگزشت اگر بجائے خود سچا بھی ہو اور جس کو سنائی جا رہی ہو اس کے لیے وہ بمنزلہ ایک آئینہ کے بھی بن جائے جس میں وہ اپنی زندگی کے تمام نشیب و فراز کامیابی کی آخری منزلوں تک، دیکھ لے تو اس سرگزشت سے زیادہ سبق آموز، بابرکت اور قیمتی سرگزشت کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حضرت یوسفؑ کی سرگزشت کی نوعیت یہی تھی۔ اس میں آپ کو آپ کے حاضر اور مستقبل کا پورا نقشہ دکھا دیا گیا جس میں چند مقامات بہت سخت بھی تھے لیکن آخری منزل نہایت شاندار تھی۔ اس راہ میں اگرچہ غارِ ثور بھی آتا تھا لیکن غارِ ثور کی ظلمتوں سے مدینہ کی حکومت بھی نظر آ رہی تھی اور مکہ کی پُرامن زندگی کے اندر اس دن کی جھلک بھی نمایاں تھی جب کہ مکہ کے متمردین گھٹنے ٹیک کر آپ سے عفو و کرم کی التجائیں کریں گے۔

سرگزشت کے دلیلِ رسالت ہونے کی نوعیت

رسالت کی دلیل یہ یوں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے۔ آپ نہ تو اس سرگزشت سے واقف ہی تھے نہ آپ کے پاس اس سے واقف ہونے کا ذریعہ ہی تھا۔ یہ قرآن کا فیض تھا کہ آپ اس سے واقف ہوئے اور اس صحت، وصداقت اور ایسی وسعت وتفصیل کے ساتھ واقف ہوئے کہ اہل کتاب بھی اس سے واقف نہ تھے۔ اس پہلو سے یہ آپ کی قوم کے لیے بھی آپ کی رسالت کی ایک دلیل تھی اور اہل کتاب کے لیے بھی، کہ اگر آپ وحی الٰہی سے مشرف نہیں ہیں تو یہ باتیں اس استقصا اور صحت وصداقت کے ساتھ آپ کو کیسے معلوم ہوئیں! مِنْ قَبْلِهٖ کے لفظ سے اس امر واقعی کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ اگر اس قرآن سے پہلے تمھیں اس سرگزشت کی کچھ بھی واقفیت ہوتی تو چالیس سال کی وسیع مدت میں کبھی تو بات زبان پر آتی۔ پھر تمھارے مخالفین کیوں نہیں سوچتے کہ اگر یہ وحی الٰہی کا فیضان نہیں ہے تو یہ چشمہ یکایک کہاں سے پھوٹ پڑا۔ یہ امر بھی یہاں ملحوظ رہے کہ تورات اور تالمود میں یہ سرگزشت ہے ضرور لیکن اول تو، جیسا کہ ہم نے عرض کیا آپ کے پاس ان سے واقف ہونے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، پھر ان کے بیان اور قرآن کے بیان میں قدم قدم پر اختلاف ہے اور اس اختلاف پر جو شخص بھی انصاف سے غور کرے گا وہ اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ قرآن کا بیان بالکل نیچرل ہے اور تورات کا بیان بالکل خلافِ عقل وفطرت اور شانِ نبوت کے منافی۔

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ (۴)

حضرت یوسفؑ کا خواب

اب یہ اصل سرگزشت کی تمہید شروع ہوتی ہے۔ حضرت یوسفؑ نے ایک دن اپنے والد حضرت یعقوبؑ سے اپنا ایک خواب بیان کیا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند میرے آگے سربسجود ہیں۔ حضرت یوسفؑ کا اس خواب کو سب سے پہلے اپنے والد کے علم میں لانا ان کی غیر معمولی سلیم الطبعی، نیک نیتی اور سعادت مندی کی دلیل ہے۔ اس طرح کا خواب اگر کوئی اوچھی طبیعت کا آدمی دیکھتا تو سب سے پہلے اپنی بڑائی کا ڈھول دوسروں میں پیٹتا لیکن حضرت یوسفؑ بچپن ہی سے نہایت رزین، متین اور سنجیدہ تھے۔ انھوں نے یہ خواب دیکھا تو انھیں یہ محسوس ہوا کہ یہ خواب خواب پریشاں کی نوعیت کا نہیں ہے بلکہ اہمیت رکھنے والا خواب ہے اس وجہ سے انھوں نے اس کو سب سے پہلے اپنے والد ماجد کے سامنے پیش کیا جن پر ہر پہلو سے ان کو سب سے زیادہ اعتماد تھا۔ آیت کے الفاظ پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ان کی طبیعت کے اندر جو تواضع تھی وہ خواب کو پیش کرنے کے انداز میں بھی نمایاں ہے۔ حضرت یعقوبؑ کے سامنے جاتے ہی بے دھڑک یوں نہیں کہہ دیا کہ میں نے گیارہ ستاروں اور سورج چاند کو اپنے آگے سربسجود دیکھا بلکہ خواب کا ابتدائی حصہ کہ میں نے گیارہ ستاروں اور سورج چاند کو دیکھا، کہہ کر ٹھٹک گئے اس لیے کہ آگے کی بات میں ان کی بڑائی نمایاں تھی جس کے اظہار سے ان کی متواضع طبیعت جھجکتی تھی لیکن چونکہ اظہار ضروری تھا اس وجہ سے ذرا توقف کے بعد فرمایا کہ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ میں نے ان کو دیکھا کہ وہ میرے لیے سجدے میں پڑے ہوئے ہیں۔ عربیت کا ذوق رکھنے والے اندازہ کر سکتے ہیں کہ فعل رَأَيْتُ کے اعادہ میں یہ بلاغت ہے کہ اس میں رویا کے بیان کرتے وقت خاص کر واقعۂ سجدہ کے بیان کرتے وقت، حضرت یوسفؑ پر جو

جھجھک طاری رہی ہے وہ واضح ہے۔

قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقۡصُصۡ رُءۡیَاكَ عَلٰۤی اِخۡوَتِكَ فَیَكِیۡدُوۡا لَكَ كَیۡدًا ؕ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ (۵)

حضرت یعقوبؑ کی تعبیر اور حضرت یوسفؑ کو ہدایت

حضرت یعقوبؑ نے خواب سنتے ہی یہ اندازہ فرمالیا کہ یہ منصب نبوت پر سرفرازی کا اشارہ ہے لیکن اس بشارت سے پہلے انھوں نے حضرت یوسفؑ کو تاکید کے ساتھ منع فرمایا کہ یہ خواب اپنے بھائیوں کے آگے نہ بیان کر دینا کہ کہیں وہ حسد سے جل بھن کر تمھارے خلاف کسی سازش میں سرگرم ہو جائیں۔ یہ امر یہاں واضح رہے کہ حضرت یوسفؑ کے کل گیارہ بھائی تھے جن میں سے دس ان کی سوتیلی ماؤں سے تھے۔ صرف سب سے چھوٹے بھائی بن یامین ان کی اپنی ماں سے تھے۔ یہاں اشارہ انھیں دس سوتیلے بھائیوں کی طرف ہے۔ چونکہ ان بھائیوں کی پرخاش حضرت یوسفؑ کے ساتھ واضح تھی اس وجہ سے حضرت یعقوبؑ کو اندیشہ ہوا کہ اگر کہیں انھوں نے یوسفؑ کا خواب سن لیا تو ان کی حسد کی آگ اور بھڑک اٹھے گی اور عجب نہیں کہ وہ حسد سے اندھے ہو کر ان کو نقصان پہنچانے کی کوئی خطرناک سازش کر ڈالیں۔ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ یعنی کھلا ہوا دشمن شیطان تو موجود ہی ہے، وہ کہیں ان کو کسی فتنہ کی راہ پر نہ ڈال دے۔

وَكَذٰلِكَ یَجۡتَبِیۡكَ رَبُّكَ وَیُعَلِّمُكَ مِنۡ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ وَیُتِمُّ نِعۡمَتَهٗ عَلَیۡكَ وَعَلٰۤی اٰلِ یَعۡقُوۡبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤی اَبَوَیۡكَ مِنۡ قَبۡلُ اِبۡرٰهِیۡمَ وَاِسۡحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِیۡمٌ حَكِیۡمٌ (۶)

حضرت یعقوبؑ نے جب خواب سنا تو چونکہ یہ بات ان کے علم میں تھی کہ نبوت کا آغاز رویائے صادقہ ہی سے ہوتا ہے اور اس خواب کا ظاہر ہی بتا رہا تھا کہ یہ سچا خواب ہے اور خواب دیکھنے والے کے لیے ایک شاندار مستقبل کی پیشین گوئی کر رہا ہے اس وجہ سے انھوں نے فرمایا کہ یہ جو کچھ تم نے دیکھا ہے ٹھیک ہے جلد وہ وقت آنے والا ہے جب تمھارا رب تمھیں منصب نبوت کے لیے منتخب فرمائے گا۔

وَیُعَلِّمُكَ مِنۡ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ، میں دو باتوں کی طرف اشارہ ہے ایک تو اس بات کی طرف کہ اس رویا کی حقیقت اللہ تعالیٰ خود تم پر واضح فرما دے گا۔ چنانچہ جب اس کی حقیقت حضرت یوسفؑ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تو فرمایا یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاۡوِیۡلُ رُءۡیَایَ مِنۡ قَبۡلُ ۫ قَدۡ جَعَلَهَا رَبِّیۡ حَقًّا ؕ وَقَدۡ اَحۡسَنَ بِیۡۤ اِذۡ اَخۡرَجَنِیۡ مِنَ السِّجۡنِ وَجَآءَ بِكُمۡ مِّنَ الۡبَدۡوِ مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ نَّزَغَ الشَّیۡطٰنُ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَ اِخۡوَتِیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ لَطِیۡفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَكِیۡمُ ۞ رَبِّ قَدۡ اٰتَیۡتَنِیۡ مِنَ الۡمُلۡكِ وَعَلَّمۡتَنِیۡ مِنۡ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ۔ (اے میرے باپ یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے دیکھا تھا میرے رب نے اس کو حقیقت کر دکھایا اور اس نے مجھ پر بڑا ہی کرم فرمایا جب کہ مجھے قید خانہ سے باہر نکالا اور آپ لوگوں کو بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال دیا تھا، دیہات سے یہاں لایا، میرا رب جو کچھ چاہتا ہے اس کو نہایت خوبی سے کر دکھاتا ہے، وہ بڑا ہی علیم و حکیم ہے۔ اے میرے رب تو نے مجھے حکومت بھی عطا فرمائی اور رویا کی تعبیر بھی بتائی)۔

تعبیر رؤیا کا علم

دوسری یہ کہ رویا چونکہ علوم نبوت کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے اور رویا میں حقائق مجاز کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں جن کو سمجھنا ایک خاص ذہنی مناسبت کا مقتضی ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء علیہم السلام کو تعبیر رویا کا ایک خاص ذوق اور ایک خاص علم بھی عطا فرماتا ہے۔ حضرت یعقوبؑ نے جب محسوس فرما لیا کہ اس رویا میں حضرت یوسفؑ کے لیے نبوت کی بشارت ہے تو ساتھ ہی ان پر یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اب حضرت یوسفؑ کو تعبیر رویا کا علم بھی عطا ہو گا تاکہ رویا کی شکل میں جو حقائق ان پر وارد ہوں ان کو ٹھیک سمجھ کر وہ منشائے خداوندی کی تعمیل کر سکیں۔ چنانچہ آگے اسی سورہ میں آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس علم میں ان کا درجہ اتنا بلند کیا کہ بالآخر یہی علم ان کے لیے مصر کی بادشاہی کے حصول کا ذریعہ بن گیا۔

اصل نعمت دین و شریعت ہے

'یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ ..... الایہ' نعمت سے مراد دین و شریعت کی نعمت ہے۔ دنیا کی دوسری چیزوں کا نعمت ہونا ایک امر اضافی ہے۔ جب بندے کو دین و شریعت کی نعمت ملتی ہے تب ہی نعمت کامل ہوتی ہے۔ حضرت یعقوبؑ نے فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہارے اجداد ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ کو اپنی نعمت سے نوازا اسی طرح وہ تم کو اور آلِ یعقوب کو بھی اس نعمت سے نوازے گا اور تم نے جو رویا دیکھی ہے وہ اسی اتمام نعمت کی بشارت ہے۔ اللہ بڑا ہی علیم و حکیم ہے۔ وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور جو کچھ کرتا ہے وہ حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

آگے کا مضمون —— آیات ۷-۲۲

حضرت یوسفؑ کی سرگزشت

اوپر کی تمہید کے بعد اب آگے حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کی اصل سرگزشت شروع ہوتی ہے چونکہ اس سرگزشت کے سنانے سے اصل مقصود داستان سرائی نہیں بلکہ ان بہت سے سوالوں کا جواب دینا تھا جو اس دور میں اپنوں اور بیگانوں دونوں ہی کے ذہنوں کے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت سے متعلق پیدا ہو رہے تھے اس وجہ سے ابتدا ہی میں متنبہ کر دیا کہ لَقَدْ كَانَ فِیْ یُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰیٰتٌ لِّلسَّآىِٕلِیْنَ (یوسفؑ اور اس کے بھائیوں کی سرگزشت میں سوال کرنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں) یعنی جو لوگ اس الجھن میں ہیں کہ آگے کیا ہو گا اور کس طرح ہو گا وہ اپنے اس طرح کے سوالوں کے جواب اس سرگزشت میں پالیں گے۔ پھر پیرے کے آخر میں فرمایا کہ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ اللہ اپنی اسکیم کو بروئے کار لانے پر پوری طرح حاوی ہے لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے —— اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۷-۲۲

لَقَدْ كَانَ فِیْ یُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰیٰتٌ لِّلسَّآىِٕلِیْنَ ۞ اِذْ قَالُوْا لَیُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِیْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنِۚۖ ۞ اقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا یَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ

اَبِیۡکُمۡ وَ تَکُوۡنُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِہٖ قَوۡمًا صٰلِحِیۡنَ ﴿۹﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡہُمۡ
لَا تَقۡتُلُوۡا یُوۡسُفَ وَ اَلۡقُوۡہُ فِیۡ غَیٰبَتِ الۡجُبِّ یَلۡتَقِطۡہُ بَعۡضُ
السَّیَّارَۃِ اِنۡ کُنۡتُمۡ فٰعِلِیۡنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوۡا یٰۤاَبَانَا مَا لَکَ لَا تَاۡمَنَّا عَلٰی
یُوۡسُفَ وَ اِنَّا لَہٗ لَنٰصِحُوۡنَ ﴿۱۱﴾ اَرۡسِلۡہُ مَعَنَا غَدًا یَّرۡتَعۡ وَ یَلۡعَبۡ
وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّیۡ لَیَحۡزُنُنِیۡۤ اَنۡ تَذۡہَبُوۡا بِہٖ وَ
اَخَافُ اَنۡ یَّاۡکُلَہُ الذِّئۡبُ وَ اَنۡتُمۡ عَنۡہُ غٰفِلُوۡنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوۡا لَئِنۡ
اَکَلَہُ الذِّئۡبُ وَ نَحۡنُ عُصۡبَۃٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَہَبُوۡا
بِہٖ وَ اَجۡمَعُوۡۤا اَنۡ یَّجۡعَلُوۡہُ فِیۡ غَیٰبَتِ الۡجُبِّ ۚ وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡہِ
لَتُنَبِّئَنَّہُمۡ بِاَمۡرِہِمۡ ہٰذَا وَ ہُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۵﴾ وَ جَآءُوۡۤ اَبَاہُمۡ
عِشَآءً یَّبۡکُوۡنَ ﴿۱۶﴾ قَالُوۡا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَہَبۡنَا نَسۡتَبِقُ وَ تَرَکۡنَا
یُوۡسُفَ عِنۡدَ مَتَاعِنَا فَاَکَلَہُ الذِّئۡبُ ۚ وَ مَاۤ اَنۡتَ بِمُؤۡمِنٍ لَّنَا
وَ لَوۡ کُنَّا صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۷﴾ وَ جَآءُوۡ عَلٰی قَمِیۡصِہٖ بِدَمٍ کَذِبٍ ؕ قَالَ الثلثۃ
بَلۡ سَوَّلَتۡ لَکُمۡ اَنۡفُسُکُمۡ اَمۡرًا ؕ فَصَبۡرٌ جَمِیۡلٌ ؕ وَ اللّٰہُ الۡمُسۡتَعَانُ
عَلٰی مَا تَصِفُوۡنَ ﴿۱۸﴾ وَ جَآءَتۡ سَیَّارَۃٌ فَاَرۡسَلُوۡا وَارِدَہُمۡ فَاَدۡلٰی
دَلۡوَہٗ ؕ قَالَ یٰبُشۡرٰی ہٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَ اَسَرُّوۡہُ بِضَاعَۃً ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ
بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَ شَرَوۡہُ بِثَمَنٍۭ بَخۡسٍ دَرَاہِمَ مَعۡدُوۡدَۃٍ ۚ وَ
کَانُوۡا فِیۡہِ مِنَ الزّٰہِدِیۡنَ ﴿٪۲۰﴾ وَ قَالَ الَّذِی اشۡتَرٰىہُ مِنۡ مِّصۡرَ ع ۲ ۱۴ ۱۲
لِامۡرَاَتِہٖۤ اَکۡرِمِیۡ مَثۡوٰىہُ عَسٰۤی اَنۡ یَّنۡفَعَنَاۤ اَوۡ نَتَّخِذَہٗ وَلَدًا ؕ وَ

كَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢١﴾ وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٢﴾

ترجمۂ آیات ۷ - ۲۲

بے شک یوسف اور اس کے بھائیوں کی سرگزشت میں پوچھنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ خیال کرو جب انھوں نے کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم ایک پورا جتھا ہیں۔ بے شک ہمارا باپ ایک کھلی ہوئی غلطی میں مبتلا ہے۔ یوسف کو قتل کر دو یا اس کو کہیں پھینک دو تو تمھارے باپ کی ساری توجہ تمھاری ہی طرف ہو جائے گی اور اس کے بعد تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو قتل تو نہ کرو، اگر تم کچھ کرنے ہی والے ہو تو اس کو کسی کنوئیں کی تہ میں پھینک دو، کوئی راہ چلتا قافلہ اس کو نکال لے جائے گا۔ ۷ - ۱۰

انھوں نے اپنے باپ سے کہا، اے ہمارے باپ، کیا بات ہے کہ یوسف کے معاملے میں آپ ہم پر اعتماد نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے بڑے ہی خیر خواہ ہیں۔ کل اس کو ہمارے ساتھ جانے دیجیے ذرا چرے چگے اور کھیلے کودے اور ہم اس کی پوری حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے۔ اس نے کہا مجھے غم میں یہ چیز ڈالتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ اور ڈرتا ہوں کہ جب تم اس سے غافل ہو تو اس کو بھیڑیا کھا جائے۔ وہ بولے کہ اگر اس کو بھیڑیا کھا گیا جب کہ ہم ایک پوری جماعت ہیں تو ہم تو اس صورت میں نہایت ہی نامراد ثابت ہوں گے۔ ۱۱ - ۱۴

پس جب وہ اس کو لے گئے اور یہ طے کر لیا کہ اس کو کنوئیں کی تہ میں پھینک دیں اور ہم نے اس کو وحی بھی کر دی کہ تم ان کو ان کی اس کارستانی سے آگاہ کرو گے جب کہ ان کو کچھ خیال بھی نہ ہو گا اور!

وہ اپنے باپ کے پاس کچھ رات گئے روتے ہوئے آئے تو بولے کہ اے ہمارے باپ ہم ایک دوسرے سے دوڑ میں مقابلہ کرتے ہوئے دور نکل گئے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑا تو اس کو بھیڑیا کھا گیا ـــــ اور آپ تو ہماری بات باور کرنے والے ہیں نہیں اگرچہ ہم سچے ہی ہوں اور وہ اس کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے۔ اس نے کہا کہ بلکہ یہ تو تمھارے جی کی ایک گھڑی ہوئی بات ہے تو صبر جمیل کی توفیق ملے اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس میں خدا ہی سہارا ہے۔ ۱۵-۱۸

اور ایک قافلہ آیا تو انھوں نے اپنے سقہ کو بھیجا۔ اس نے ڈول ڈالا تو پکار اٹھا، خوشخبری ہو! یہ تو ایک لڑکا ہے! اور اس کو ایک پونجی سمجھ کر محفوظ کر لیا اور اللہ خوب باخبر تھا اس چیز سے جو وہ کر رہے تھے اور انھوں نے اس کو ایک حقیر قیمت، چند درم کے عوض، بیچ دیا اور وہ اس کے معاملے میں بالکل بے پروا تھے۔ ۱۹-۲۰

اور اہل مصر میں سے جس نے اس کو خریدا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ ذرا اس کو خاطر سے رکھیو۔ امید ہے کہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اس کو بیٹا ہی بنا لیں اور اس طرح ہم نے یوسف کے لیے ملک میں زمین ہموار کی تاکہ ہم اس کو متمکن کریں اور اس کو باتوں کی تعبیر بتائیں اور اللہ اپنے ارادے کی تنفید پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور جب وہ اپنی پختگی کو پہنچا ہم نے اس کو حکومت اور علم عطا کیا اور ہم خوب کاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ ۲۱-۲۲

۲۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

لَقَدْ كَانَ فِیْ یُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ (۷)

سرگزشت سے پہلے ایک تنبیہ

یہ آیت جیسا کہ ہم نے تمہید میں اشارہ کیا، اصل سرگزشت کے شروع کرنے سے پہلے ایک تنبیہ ہے کہ مخاطب اس کو محض ایک کہانی کی طرح نہ سنیں بلکہ اس میں ان بہت سے سوالوں کے جواب مضمر ہیں جو دعوت اسلامی کے اس دور میں مخالفین و موافقین دونوں ہی کے

غلبۂ حق اور ہزیمت باطل کی بشارت

ذہنوں میں ابھر رہے ہیں۔ اس گروپ کی پچھلی دونوں سورتوں میں حق کے غلبہ اور باطل کی ہزیمت کا مضمون مختلف اسلوبوں سے بیان ہوا ہے لیکن جس وقت یہ مضمون بیان ہوا ہے پورے ملک پر اس طرح کفر کی تاریکی چھائی ہوئی تھی کہ یہ تصور کرنا کچھ آسان نہ تھا کہ یہ تاریکی ایک دن بالکل کافور ہو جائے گی اور جو شخص آج اپنے چند نہایت مظلوم ساتھیوں کے ساتھ وقت کے متمردین کے ہاتھوں ہر قسم کے مصائب و مظالم کا ہدف ہے ایک دن آئے گا کہ یہ تمام متمردین اس کے آگے گھٹنے ٹیک کر اس سے رحم و کرم کی التجائیں کریں گے۔ قرآن نے اس تصور کو ذہنوں کے قریب لانے کے لیے یہ سرگزشت سنائی تاکہ اس امر سے متعلق ذہنوں میں جتنے بھی سوالات و شبہات موجود ہوں یا آئندہ پیدا ہو سکتے ہوں وہ دور ہو جائیں اور لوگوں کو اندازہ ہو جائے کہ خدا کی شانیں یوں ظاہر ہوتی ہیں اور اس کے ارادے اور منصوبے یوں بروئے کار آتے ہیں۔

إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۖ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (۸)

برادرانِ یوسف کا غصہ

'عُصْبَةٌ' کے معنی گروہ، جتھہ اور جماعت کے ہیں، خاص طور پر وہ گروہ جس کے اندر خون کی عصبیت بھی موجود ہو۔ بدویانہ دورِ زندگی میں، جب منظم حکومتوں کا وجود نہیں تھا، حمایت و مدافعت کا تمام تر انحصار خاندان اور قبیلہ کی عصبیت ہی پر ہوتا تھا۔ سب سے زیادہ باعزت اور با اثر وہ خاندان سمجھا جاتا جس کے اندر حمایت اور مدافعت کے لیے اٹھنے والے نوجوان سب سے زیادہ ہوں۔ اسی خاندان کو قوم و قبیلہ کی سربراہی حاصل ہوتی اور وہی حکومت کرتا۔ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے اسی امر کو مدنظر رکھ کر نعوذ باللہ اپنے باپ کی بے خردی اور ناعاقبت اندیشی پر آپس میں غصہ کا اظہار کیا کہ جتھہ اور گروہ کی حیثیت تو ہماری ہے، حمایت و مدافعت کا ذریعہ تو ہم بنیں گے، دوسروں پر دھاک تو ہمارے بل بوتے پر بیٹھے گی لیکن ہمارے باپ کا حال یہ ہے کہ اس کو محبت یوسف اور اس کے بھائی بنیامین سے ہے۔ اس سے بڑی غلطی اور گمراہی اور کیا ہو سکتی ہے۔

اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِن بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ (۹)

لفظ صالح کا لغوی مفہوم

لفظ 'صالح' یہاں ٹھیک اپنے لغوی مفہوم میں ہے۔ عربی میں اگر کہیں صَلَحَتْ حَالُ فُلَانٍ تو اس کے معنی ہوں گے، اس کا حال بالکل ٹھیک ہو گیا، اس کی پریشانی دور ہو گئی، جو کانٹا اسے چبھ رہا تھا اس سے وہ نجات پا گیا۔

برادرانِ یوسف کی مشورت

یہ وہ علاج ہے جو حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے اپنی پریشانی دور کرنے کے لیے سوچا۔ انھوں نے اسکیم یہ بنائی کہ یوسفؑ کو یا تو قتل کر دیں یا کہیں دور دراز مقام میں لے جا کر پھینک دیں تاکہ ان کے باپ کی ساری توجہ انھی کی طرف ہو جائے اور یہ کانٹا جو انھیں چبھ رہا ہے نکل جائے۔

بعض لوگوں نے وَتَكُونُوا مِن بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ کا یہ مطلب لیا ہے کہ اس جرم کے کر لینے کے بعد پھر نیک بن جانا لیکن یہ معنی اس جملہ کے کسی طرح نہیں ہو سکتے۔ دوسرے پہلوؤں سے قطع نظر جملہ کی نحوی ترکیب ہی اس سے ابا کر رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا عطف سابق جواب امر پر ہے اس وجہ سے جو حکم اس کا ہو گا وہی حکم اس کا بھی ہو گا۔

حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کی اس مشورت سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ ان کو اصلی کد حضرت یوسفؑ ہی سے تھی اور اس کد میں اصلی دخل صرف ان کے سوتیلے ہونے کو نہیں تھا بلکہ ان کی ان اعلیٰ صلاحیتوں کو تھا جو اسی عمر سے ان میں ابھرنے لگی تھیں اور جن کو دیکھ کر حضرت یعقوبؑ ان سے غیر معمولی طور پر محبت کرنے لگے تھے۔ اگر مجرد سوتیلے ہونے کے سبب سے کد ہوتی تو سوتیلے تو بنیامین بھی تھے آخر ان کو ٹھکانے لگانے کی انھوں نے کوئی اسکیم کیوں نہیں بنائی!

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ (۱۰)

'غیابۃ' کنوئیں کی تہ کو اور 'جُبّ' کچے کنوئیں کو کہتے ہیں۔ صحرائی راستوں میں جن پر سے قافلے گزرتے ہیں اس طرح کے کنوئیں ہوتے تھے جو عام حالات میں تو یوں ہی پڑے رہتے لیکن کوئی قافلہ گزرتا تو ان پر رونق ہو جاتی۔ دس بھائیوں میں سے ایک کے دل میں معلوم ہوتا ہے حضرت یوسفؑ کے لیے کوئی نرم گوشہ تھا۔ اس نے مشورہ دیا کہ قتل تو نہ کرو، اگر کچھ کرنا ہی ہے تو یہ کرو کہ قافلوں کے راستے کے کسی کنوئیں میں اس کو ڈال دو، کوئی قافلہ گزرے گا اس کو نکال لے گا۔ چونکہ اس زمانہ میں بردہ فروشی کا عام رواج تھا اس وجہ سے ممکن ہے یہ خیال بھی ہوا ہو کہ قافلے والے یا تو اس کو غلام بنا لیں گے یا کسی شہر میں لے جا کر اس کو بیچ دیں گے۔ اس طرح اس کی جان بھی بچ جائے گی اور تمھارے پہلو کا کانٹا بھی نکل جائے گا۔ بالآخر اسی مشورے پر سب کا اتفاق رائے ہو گیا۔

قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ۝ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (۱۱-۱۲)

حضرت یعقوبؑ کو فریب

'یرتع و یلعب' کا لغوی مفہوم تو یہ ہے کہ ذرا چرے چگے اور کھیلے کودے لیکن یہ نہایت خوب صورت تعبیر ہے پکنک منانے کی۔ بدویانہ زندگی میں جی بہلانے کے جو طریقے بہت مقبول و محبوب رہے ہیں ان میں پکنک کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ شعرائے جاہلیت اپنے قصائد میں بڑی دل چسپی سے اس کا ذکر کرتے ہیں۔ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے بھی مذکورہ بالا رائے پر اتفاق کر لینے کے بعد حضرت یعقوبؑ کو شیشہ میں اتارنے کے لیے ان کو یہی سبز باغ دکھانے کی کوشش کی۔ سب مل کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پہلے تو اپنا اعتماد جمانے کے لیے یہ کہا کہ کیا بات ہے کہ یوسفؑ کے معاملے میں آپ ہم پر اعتماد نہیں کرتے حالانکہ ہم تو اس کے بڑے ہی خیر خواہ اور محبت کرنے والے ہیں۔ پھر ان کے سامنے اپنا پکنک کا پروگرام پیش کیا کہ کل ہم نے تفریح کا پروگرام بنایا ہے اور ہماری دلی آرزو ہے کہ یوسفؑ بھی اس پروگرام میں شریک ہو، ذرا پھل پھلاری کھائے گا، ہمارے ساتھ کھیلے کودے گا اور آپ پوری طرح مطمئن رہیں کہ کسی بات کا اندیشہ نہیں ہے، اگر کوئی خطرہ ہوا تو ہم سب اس کی حفاظت کے لیے موجود ہیں۔

قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۝ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ (۱۳-۱۴)

حضرت یعقوبؑ نے فرمایا کہ مجھے غم اور اندیشہ اگر ہے تو اس بات کا ہے کہ تم اس کو لے جاؤ اور تم تو اپنے کھیل کود، اپنی دلچسپیوں میں مصروف ہو جاؤ اور تمھاری غفلت میں اس کو کوئی بھیڑیا کھا جائے۔ معلوم ہوتا ہے اس علاقے میں بھیڑیوں کی کثرت تھی اور آدمیوں پر ان کے حملوں کی وارداتیں ہوتی رہتی تھیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے اس اندیشے کو سن کر بڑے تاؤ سے انھوں نے جواب دیا کہ ہماری پوری پارٹی کی موجودگی میں اگر اس کو بھیڑیا کھا گیا تو ہم سے بڑھ کر بدقسمت اور نامراد کون ہوگا —— معلوم ہوتا ہے حضرت یعقوبؑ نے ان کی اس یقین دہانی کے بعد باول ناخواستہ ہی سہی، حضرت یوسفؑ کو ان کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی اور ان کی سازش کا پہلا مرحلہ کامیابی سے طے ہو گیا۔

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَجَاۗءُوْٓا اَبَاهُمْ عِشَاۗءً يَّبْكُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ (۱۵-۱۷)

تجویز جس پر عمل ہوا

ان آیات میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ لَمَّا کا جواب قَالُوا یٰاَبَانَا ..... الایۃ' ہے۔ بات کو سمیٹنے کے لیے بیچ کی کئی باتوں کو لَمَّا ہی کے تحت کر دیا ہے۔ یعنی جب انھوں نے اس کو کنوئیں میں ڈالنے کا فیصلہ کر لیا اور یوسفؑ کو یہ خوش خبری بھی الہام کر دی گئی کہ تم اس آفت سے نجات پاؤ گے اور ایک دن آئے گا کہ تم ان کو ان کی اس کارستانی سے آگاہ کرو گے، اور وہ روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس رات میں آئے، تب انھوں نے یہ کہا کہ ہم تو یوسفؑ کو سامان کے پاس چھوڑ کر دوڑ لگاتے ہوئے دور نکل گئے اور یوسف کو بھیڑیا کھا گیا۔ اس ایجاز کا فائدہ یہ ہوا کہ سرگزشت کے تمام اجزا کی طرف اشارہ بھی ہو گیا اور اصل نقطہ سے مخاطب کی توجہ ہٹنے بھی نہ پائی۔

اب اس کے اجزا پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ۔ یعنی حضرت یعقوبؑ کو کسی نہ کسی طرح راضی کر ہی لیا اور یوسفؑ کو ساتھ لے گئے اور اس بات پر اتفاق کر لیا کہ اس کو کنوئیں میں ڈال دیں۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اس امر میں اختلاف اگرچہ آخر تک موجود رہا کہ یوسفؑ کو قتل کریں یا کنوئیں میں ڈالیں لیکن بالآخر کنوئیں والی تجویز ہی پر سب کا اتفاق اور اسی پر عمل ہوا۔

حضرت یوسفؑ کو بشارت

وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۔ یہاں 'وحی' سے مراد اصطلاحی وحی نہیں ہے بلکہ مراد دل میں بات ڈال دینا ہے۔ صالحین کو ظالموں اور شریروں کے ہاتھوں جب کوئی آزمائش پیش آتی ہے تو اللہ تعالیٰ جس وقت ظالموں کو ڈھیل دیتا ہے اسی وقت مظلوم کے دل پر بھی غیب سے سکینت و طمانیت، تسلی اور بشارت نازل فرماتا ہے۔ اس کا تجربہ کم و بیش ہر اس شخص کو ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوئی تکلیف اٹھانے کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ یہ چیز آپ سے آپ دل پر نازل ہوتی ہے اور پھر دل کو اس طرح اپنے رنگ میں رنگ لیتی ہے کہ بڑی سے بڑی مصیبت کی اہمیت بھی پرکاہ کے برابر نہیں رہ جاتی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے دل پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات ڈال دی گئی کہ یہ آزمائش وقتی اور عارضی ہے۔ وہ وقت آئے گا کہ تم

ان لوگوں کو ان کی کارستانی سے آگاہ کرو گے اور تم اس وقت ایسے منصب بلند پر ہو گے کہ یہ گمان بھی نہ کر سکیں گے کہ یہ ان کا وہی بھائی ان سے بات کر رہا ہے جس کو انھوں نے اندھے کنوئیں میں پھینکا تھا۔ اس کی تفصیل آیت ۹۰ کے تحت آئے گی۔

بھائیوں کی سخن سازی

وَجَآءُوۡ اَبَاهُمۡ عِشَآءً يَّبۡكُوۡنَ۔ یعنی یہ کارستانی انجام دے کر کچھ رات گئے منہ بسورتے اور آنسو بہاتے باپ کے پاس آئے۔ کچھ رات گئے آنے میں ممکن ہے یہ مصلحت مدنظر رہی ہو کہ اگر باپ کے دل میں تلاش و تحقیق کا کوئی خیال پیدا ہو تو اس کا بھی کوئی امکان باقی نہ رہے۔

'وَقَالُوۡا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبۡنَا نَسۡتَبِقُ وَتَرَكۡنَا يُوۡسُفَ عِنۡدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئۡبُ' یہ وہ اصل بات ہے جو انھوں نے اپنی صفائی میں پیش کی۔ 'اِسْتِبَاق' کے معنی دوڑنے جھپٹنے اور ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کے ہیں۔ اسی سورہ میں آگے 'اِسْتَبَقَا الْبَابَ' آیا ہے یعنی وہ دونوں دروازے کی طرف جھپٹے۔ ان لوگوں نے اپنے لیے عذر تلاش کرنے میں کچھ زیادہ زحمت کا ثبوت نہیں دیا۔ حضرت یعقوبؑ نے ان کے سامنے بھیڑیے کا جو اندیشہ ظاہر کیا تھا اسی سے انھوں نے بات بنالی کہ باپ کے ذہن میں بھیڑیے کا اندیشہ تو موجود ہی ہے تو کیوں نہ اس کی آڑ میں پناہ لی جائے۔ چنانچہ انھوں نے حضرت یعقوبؑ ہی کی بات دہرادی کہ ہم تو یوسفؑ کو سامان کے پاس چھوڑ کر دوڑ لگاتے ہوئے دور نکل گئے اور پھر بھیڑیا آیا اور یوسفؑ کو کھا گیا۔ یہ بات کہنے کو تو انھوں نے کہہ دی لیکن وہ خود بھی مطمئن نہیں تھے کہ حضرت یعقوبؑ ان کی بات باور کر لیں گے۔ چنانچہ ان کے دل کا چور ان کی زبان پر بھی آگیا اور ساتھ ہی وہ یہ بھی کہہ گزرے کہ 'وَمَاۤ اَنۡتَ بِمُؤۡمِنٍ لَّنَا وَلَوۡ كُنَّا صٰدِقِيۡنَ' آپ ہماری بات ماننے والے تو ہیں نہیں اگرچہ ہم سچے ہی کیوں نہ ہوں۔

وَجَآءُوۡ عَلٰى قَمِيۡصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلۡ سَوَّلَتۡ لَكُمۡ اَنۡفُسُكُمۡ اَمۡرًا ؕ فَصَبۡرٌ جَمِيۡلٌ ؕ وَاللّٰهُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوۡنَ (۱۸)

'سولت لہ نفسہ کذا، زینتہ لہ وسہلتہ لہ وھونتہ'۔ شیطان نے اس کی نگاہ میں فلاں بات کھبا دی اور آسان کر دی۔

'صبر جمیل' کا مفہوم

'فَصَبۡرٌ جَمِيۡلٌ' مبتدا بھی ہو سکتا ہے اس لیے کہ نکرہ موصوف میں مبتدا ہونے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور مبتدائے محذوف کی خبر بھی ہو سکتا ہے۔ ہم نے مبتدا مان کر ترجمہ کیا ہے اور خبر محذوف کو ترجمہ میں کھول دیا ہے۔ ایسے مواقع میں خبر کے محذوف ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ بالکل واضح ہوتی ہے اور اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ساری توجہ اصل نقطہ پر مرکوز ہو جاتی ہے۔ 'صَبۡرٌ جَمِيۡلٌ' سے مراد وہ صبر ہے جو ہر قسم کے جزع فزع، گلے شکوے اور نوحہ و ماتم سے پاک ہو۔ اگر قرآن اور تورات کا فرق دیکھنا ہو تو صرف یہی ایک مقام تورات میں دیکھ لیجیے۔ قرآن تو ان کے صبر جمیل کی تعریف کرتا ہے اور تورات میں ہے کہ 'تب یعقوب نے اپنے کپڑے پھاڑے اور ٹاٹ اپنی کمر پر لپٹا اور بہت دن تک اپنے بیٹے کا غم کیا' پیدائش ۳۷: ۳۴

حضرت یعقوبؑ کو اپنی بات باور کرانے کے لیے ان لوگوں نے تدبیر یہ کی کہ حضرت یوسفؑ کے قمیص پر کسی چیز

کے خون کے دھبے بھی ڈال لائے لیکن حضرت یعقوبؑ نے ایک لمحہ کے لیے بھی ان کی بات باور نہیں کی، سنتے ہی فرمایا کہ یہ سب تمہارا من گھڑت قصہ ہے تو صبرِ جمیل کی توفیق ملے اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اللہ ہی مدد فرمائے تو اس کا عقدہ کھلے۔

وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۖ قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ ۚ وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ (۱۹)

'وارد' کا مفہوم

خدائے کارساز کی کارسازی

'وارد' کے اصل معنی تو کسی گھاٹ یا چشمہ پر اترنے والے کے ہیں۔ عرب میں قافلے والے یوں کرتے کہ جس کنوئیں میں اترنا ہوتا ذرا پہلے اپنا ایک آدمی اس پر بھیج دیتے کہ وہ پانی وغیرہ کا انتظام کر رکھے۔ یہاں وارد سے وہی مراد ہے برادران یوسفؑ تو ان کو کنوئیں میں ڈال کر گھر کو سدھارے۔ ادھر رب کریم و کارساز نے یہ انتظام فرمایا کہ ایک قافلہ آ نکلا اور اس نے اپنے پانی کے منتظم کو کنوئیں پر بھیجا۔ اس نے ڈول ڈالا تو دیکھتا ہے کہ کنوئیں میں ایک لڑکا ہے۔ وہ خوشی سے چلایا کہ خوش خبری ہو، اس میں تو ایک لڑکا ہے! اس دور میں بردہ فروشی کا رواج عام تھا انھوں نے سوچا کہ چلو ایک نفع کی چیز مل گئی، کہیں بیچ لیں گے اور اس خیال سے کہ کہیں داہنے بائیں کوئی مدعی نہ اٹھ کھڑا ہو اس واقعہ کو انھوں نے راز میں رکھنے کی کوشش کی، اس کی تشہیر نہیں ہونے دی۔ "وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ" اور اللہ کو خوب پتہ تھا کہ وہ کیا کر رہے تھے۔ وہ تو اپنی اسکیم پوری کر رہے تھے اور اللہ اپنی اسکیم پوری کر رہا تھا۔ انھیں تو ایک غلام ملا تھا، خوش تھے کہ اس کو بیچ کر کچھ پیسے حاصل کر لیں گے اور اللہ نے یہ چاہا کہ یوسفؑ کی یہ غلامی مصر کی بادشاہی کی تمہید ثابت ہو۔

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ۚ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ (۲۰)

'بخس' اور 'زھد' کا مفہوم

'شَرٰی یَشْرِی' خریدنے اور بیچنے دونوں معنی میں آتا ہے۔ یہاں یہ اپنے دوسرے معنی میں آیا ہے 'بَخْس' کے معنی ناقص اور حقیر کے ہیں۔ 'زَهِدَ فِي الشَّيْءِ' ، 'رَغِبَ عَنْهُ وَتَرَكَهُ' یعنی وہ فلاں چیز سے بے رغبت ہو گیا، اس کو چھوڑ بیٹھا۔ تارک دنیا کو 'زاہد' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ دنیا اور اسباب دنیا سے بے رغبت و بے نیاز ہو جاتا ہے۔

حضرت یوسفؑ کی فروخت

مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے مصر پہنچتے ہی اس کو نہایت حقیر قیمت، گنتی کے چند درہم کے عوض بیچ دیا۔ انھوں نے حضرت یوسفؑ کے حاصل کرنے پر کچھ دام تو خرچ نہیں کیے تھے کہ اپنے دام وصول کرنے اور اس پر کچھ مزید نفع حاصل کرنے کی فکر ہوتی۔ ایک چیز مفت ہاتھ آئی تھی وہ جس قیمت پر بھی بک گئی ان کے لیے نفع ہی نفع تھی۔ چنانچہ انھوں نے غالباً خریدار اول ہی کے ہاتھ، جو قیمت بھی اس کی زبان سے نکل گئی، اسی قیمت پر ان کو فروخت کر دیا۔ انھیں کیا پتہ تھا کہ وہ جس لڑکے کو بیچ رہے ہیں وہ خانوادۂ یعقوبی کا چشم و چراغ اور خدا کا پیغمبر ہے اور بہت جلد مصر کی پوری مملکت اس کے انگوٹھے کے نیچے آنے والی ہے۔ جب وہ ان باتوں میں سے کسی بات سے واقف ہی نہیں تھے تو ان کو بے پروا تو ہونا ہی تھا۔

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۚ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (۲۱)

ایک نحوی اشکال کی وضاحت

اس آیت میں ایک نحوی اشکال ہے وہ یہ کہ 'وَلِنُعَلِّمَهُ' کا معطوف علیہ موجود نہیں ہے۔ اس اسلوب کی مثالیں پیچھے بھی گزر چکی ہیں اور ہم اس کی وضاحت کر چکے ہیں کہ کبھی معطوف علیہ کو غایت وضاحت کی وجہ سے حذف کر دیتے ہیں، اس کو قرینہ سے سمجھ لیتے ہیں اور اگر موقع مقتضی ہو تو وہ پوری بات وہاں محذوف مانی جا سکتی ہے جس سے موجود خلا بھر سکے۔ یہاں ہمارے نزدیک 'وَلِنُعَلِّمَهُ' سے پہلے 'لِنَجْتَبِيَهُ' محذوف ہے اور حرف عطف 'و' اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے یعنی پوری بات یوں ہے کہ اس طرح ہم نے یوسف کے لیے ملک میں زمین ہموار کی تاکہ ہم اس کو اپنے کام کے لیے برگزیدہ کریں اور تاکہ ہم اس کو باتوں کی تاویل و تعبیر سکھائیں۔

حضرت یوسفؑ کی زندگی کا ایک نیا موڑ

اب یہاں سے حضرت یوسفؑ کی زندگی ایک نیا موڑ مڑتی ہے۔ اہل مصر میں سے جس نے ان کو خریدا (تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حکومت کا ایک معزز عہدہ دار غالباً شاہی باڈی گارڈ کا اعلیٰ افسر اور طبیعت کا نہایت شریف آدمی تھا۔ تورات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے حضرت یوسفؑ کو دیکھتے ہی تاڑ لیا تھا کہ یہ کسی نہایت اعلیٰ خاندان کا چشم و چراغ ہے جس کو یہ بیچنے والے کہیں سے پکڑ لائے ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنی بیوی کو ہدایت کی کہ اس کو غلام کی طرح نہیں بلکہ خاطر و مدارات سے رکھنا۔ بہت ممکن ہے کہ یہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اس کو اپنا بیٹا ہی بنا لیں۔ معلوم ہوتا ہے اس وقت تک اس کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی اس وجہ سے اس نے سوچا ہو کہ اگر ہمارے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی تو ہم اس کو متبنّیٰ کر لیں گے۔ اس طرح اس نے حضرت یوسفؑ کو اپنے پورے گھر کا، جیسا کہ تورات سے واضح ہوتا ہے، مالک و مختار بنا دیا۔

حضرت یوسفؑ کا نبوت کے لیے انتخاب

'وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ' یعنی اس طرح ہم نے یوسفؑ کے لیے مصر میں زمین ہموار کی تاکہ جس کار نبوت کے لیے ہم اس کو منتخب کرنا چاہتے تھے اس کو منتخب کریں اور اس کو باتوں اور خوابوں کی وہ تاویل و تعبیر سکھائیں جو اس کے لیے بالآخر، جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی، عملاً مصر کی بادشاہی کے لیے زمین ہموار کر دے۔

قریش کو تنبیہ

'وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ'۔ اوپر جتنی سرگزشت بیان ہوئی ہے یہ اس کا خلاصہ ہے کہ خدا کے ارادے اور اس کی اسکیمیں اسی طرح بروئے کار آتی ہیں لیکن جن لوگوں کی نظر صرف ظاہر پر ہوتی ہے وہ اس کو نہیں جانتے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ یہ ساری سرگزشت قریش کو سنائی جا رہی ہے اور اس آخری فقرے میں انہی کی آنکھوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ وہ چاہیں تو اس سرگزشت میں اپنا مستقبل بھی دیکھ لیں اور اس پیغمبر کا مستقبل بھی دیکھ لیں جس کے خلاف وہ رات دن طرح طرح کی سازشوں میں مصروف ہیں۔

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (۲۲)

حضرت یوسفؑ پر انعام الٰہی

یہ وہ انعام ہے جو اللہ تعالیٰ نے بعد میں حضرت یوسفؑ پر فرمایا اور جس کی طرف اوپر والی آیت میں اشارہ

ہے۔ فرمایا کہ جب وہ عمر کی پختگی کو پہنچا ہم نے اس کو حکم اور علم سے نوازا اور ہم خوب کاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ لفظ 'اشُدّ' جوانی کے لیے بھی آتا ہے اور پختہ سن و سال کے لیے بھی آتا ہے مثلاً حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً (یہاں تک کہ جب وہ اپنی پختگی کو پہنچا اور چالیس سال کا ہوا) حکم اور علم یہاں نبوت کی تعبیر ہے۔ 'حکم' سے مراد قوتِ فیصلہ بھی ہے اور حکومت بھی اور یہ دونوں ہی چیزیں حضرت یوسفؑ کو عطا ہوئیں۔ 'علم' سے مراد وہ علم ہے جو حضرات انبیاء کو وحی کے ذریعہ سے عطا ہوتا ہے۔ آخر میں یہ واضح فرمادیا کہ یہ انعام جو یوسفؑ پر ہوا تو اس لیے ہوا کہ وہ خوب کار تھے۔ انھوں نے خدا کے حقوق و فرائض کو پہچانا اور ہر امتحان میں پورے اترے تو خدا نے ان کو اپنی نبوت کے لیے انتخاب فرمایا۔

۴۔ آگے کا مضمون — آیات ۲۳-۳۴

حضرت یوسفؑ کی آزمائش کا دوسرا مرحلہ

آزمائش کا پہلا مرحلہ ختم ہوا تو ساتھ ہی دوسرا مرحلہ شروع ہو گیا۔ پہلا مرحلہ بھائیوں کے حسد اور ان کی نفرت اور عداوت کا تھا جس کے نتیجہ میں انھیں ایک اندھے کنوئیں میں پھینکا گیا۔ یہ دوسرا مرحلہ عزیز مصر کی بیوی کی طرف سے عشق و محبت کی شکل میں نمودار ہوا جس کے نتیجہ میں حضرت یوسفؑ کو بے قصور جیل میں ڈالا گیا۔ لیکن جس طرح وہ پہلے امتحان میں کامیاب رہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس دوسرے امتحان میں بھی ان کو نہایت شاندار کامیابی بخشی — آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۲۳-۳۴

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْۤ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّاۤ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ

دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ
مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يُوْسُفُ
اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ښ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ
الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾ ۧ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ
فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۭ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾
فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ
كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ
اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ
اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ
وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ وَلَىِٕنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ
لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ
اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ
اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ
كَيْدَهُنَّ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾

ع ۳ / ۹ / ۱۳

ترجمۂ آیات ۲۳-۳۴

اور جس عورت کے گھر میں وہ تھا وہ اس پر ڈورے ڈالنے لگی اور اس نے دروازے بند کر
لیے اور بولی کہ بس آجاؤ۔ اس نے کہا معاذ اللہ! وہ میرا آقا ہے اس نے مجھے خاطر سے رکھا ہے
حق تلفی کرنے والے ہرگز فلاح نہیں پاتے۔ اور عورت نے تو اس کا قصد کر ہی لیا تھا وہ بھی اس کا قصد
کر لیتا اگر اس نے اپنے رب کی واضح نشانی نہ دیکھ لی ہوتی۔ ہم نے ایسا ہی کیا تاکہ ہم اس سے برائی

اور بے حیائی کو دور رکھیں بے شک وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھا (۲۲-۲۴)

اور وہ دونوں دروازے کی طرف جھپٹے اور اس نے یوسف کا کرتا پیچھے سے پھاڑ دیا اور دونوں نے اس کے شوہر کو دروازے پر پایا۔ وہ بولی کہ جو تیری بیوی کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کرے اس کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ قید خانہ میں ڈالا جائے یا وہ کوئی دردناک تکلیف بھگتے۔ اس نے کہا اسی نے مجھے پھسلانے کی کوشش کی اور عورت کے خاندان والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر اس کا کرتا آگے سے پھٹا ہوا ہو تو وہ سچی ہے اور وہ جھوٹا ہے اور اگر اس کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہو تو وہ جھوٹی اور یہ سچا ہے۔ تو جب اس نے اس کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو بول اٹھا کہ بے شک یہ تمہاری چرتر ہے اور تمہارے چرتر بڑے ہی فتنہ ہوتے ہیں۔ یوسف اس کو چھوڑو اور تو اپنے گناہ کی معافی مانگ، بے شک تو ہی خطاوار ہے۔ ۲۵-۲۹

اور شہر میں کچھ عورتوں نے کہا کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام پر ڈورے ڈال رہی ہے۔ اس کے عشق میں دیوانی ہو گئی ہے۔ ہم تو اس کو کھلی حماقت میں مبتلا دیکھ رہے ہیں۔ تو جب اس نے ان کے چرتر کا حال سنا تو اس نے انھیں بلا بھیجا اور ان کے لیے نشست گاہ آراستہ کی اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دی اور یوسف سے کہا کہ تم ان کے سامنے آؤ تو جب انھوں نے اس کو دیکھا اس کی عظمت سے مبہوت رہ گئیں اور انھوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لیے اور بولیں کہ حاشا للہ یہ آدمی نہیں۔ یہ تو کوئی فرشتہ یزدانی ہے۔ وہ بولی کہ یہی ہے وہ جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کر رہی تھیں بیشک میں نے اس پر ڈورے ڈالے لیکن یہ بچ رہا، اگر اس نے وہ نہ کیا جو میں اسے کہہ رہی ہوں تو وہ ضرور قید خانہ جائے گا اور ذلیل ہوگا۔ اس نے دعا کی اے میرے رب! قید خانہ مجھے اس چیز کے مقابل میں زیادہ محبوب ہے جس کی یہ مجھے دعوت دے رہی ہیں اور اگر تو نے ان کے چرتر کو مجھ سے دفع نہ کیا تو میں ان کی طرف

مائل اور جذبات سے مغلوب ہو جانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔ تو اس کے رب نے اس کی دعا قبول فرمائی اور ان کے چرتر کو اس سے دفع کر دیا۔ بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ ۳۰-۳۴

۵- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّهٗ رَبِّيْٓ أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (۲۳)

'مراودۃ' کا مفہوم

'رَاوَدَتْهُ عَنْ نَّفْسِهٖ' کے معنی ہیں چھل فریب کے ذریعہ سے اس نے اس کو بدکاری کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔

'ھیت لک' کا مفہوم

'هَيْتَ لَكَ' کے معنی ہیں 'هَلُمَّ لَكَ وَتَعَالَ' یعنی آ جاؤ۔

لفظ 'رب' کا مفہوم

'إِنَّهٗ رَبِّيْ' لفظ 'رب' یہاں اپنے عام لغوی مفہوم یعنی آقا اور مالک کے معنی میں ہے۔ آگے آیات ۴۱-۴۲ میں بھی اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً أَمَّآ أَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا (رہا تم میں سے ایک تو وہ اپنے آقا کو شراب پلائے گا) اُذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ (اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کیجیو)۔

حضرت یوسفؑ کے لیے دام ہوس

ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ یہاں سے حضرت یوسفؑ کی زندگی کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ اب تک وہ نفرت اور حسد کے شکار رہے، اس سے جان چھوٹی تو عشق و ہوس نے ان پر اپنے دام پھینکنے کی کوشش شروع کی اور یہ امتحان پہلے امتحان سے بھی کہیں زیادہ سخت ثابت ہوا۔ مصریوں میں سے جس نے ان کو خریدا تھا اس کی بیوی ان پر مرنے لگی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک دن اس نے اپنے دروازے بند کر لیے اور بولی کہ بس آ جاؤ۔ حضرت یوسفؑ نے ان کے شوہر کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ میرا آقا ہے اور اس نے مجھے نہایت اچھی طرح رکھا ہے۔ یہ بڑی بے وفائی اور نمک حرامی ہوگی اگر میں اس کی بیوی کے ساتھ اس طرح کی کوئی حرکت کروں۔ اس صورت میں میں ظالم ٹھہروں گا اور ظالم کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔ حضرت یوسفؑ کے اس فقرے پر غور فرمائیے تو معلوم ہوگا کہ اس میں بڑی نفسیاتی بلاغت ہے۔ جذبات سے اندھی اور خدا اور آخرت سے ایک بے خبر عورت کے سامنے خدا اور آخرت کا وعظ، ظاہر ہے کہ بھینس کے آگے بین بجانے کے مترادف تھا۔ اس کے ہیجان کو اگر کچھ ٹھنڈا کیا جا سکتا تھا تو اسی فقرے سے کیا جا سکتا تھا جو حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ اس میں اگر شرافت کی رمق بھی ہوتی تو وہ ضرور سوچتی کہ ایک یہ نوجوان ہے جو اپنے آقا کی معمولی سی مہربانی سے اتنا متاثر اور اس کی آقائی کا اس کو اتنا اہتمام لحاظ ہے کہ میری بے محابا دعوت کے باوجود اس کے ساتھ کوئی بے وفائی کرنا اپنی دنیا اور عاقبت دونوں کی بربادی تصور کرتا ہے اور ایک میں ہوں کہ اس کی بیوی ہوں، میں نے اپنے آپ کو اس کی زوجیت میں دیا ہے، اپنی عصمت

کا اس کو مالک بنایا ہے، اس کے گھر کی ملکہ بنی بیٹھی ہوں، اس کے مال پر مالکانہ متصرف ہوں لیکن اس کے ساتھ وفاداری کا یہ حال ہے کہ اس کے زرخرید غلام کو اس طرح ہوس سے اندھی ہو کر دعوت عشق دے رہی ہوں۔

'اِنَّہٗ رَبِّیٓ' میں ضمیر منصوب کا مرجع

بعض لوگوں نے 'اِنَّہٗ رَبِّیٓ' میں ضمیر منصوب کا مرجع خدا کو مانا ہے لیکن یہ محض تکلف ہے۔ سیاق و سباق اس سے ابا کر رہا ہے۔ عربی میں رب المال، رب البیت اور رب الدار وغیرہ کی ترکیبیں موجود ہیں اور اوپر آپ نے دیکھا کہ خود حضرت یوسفؑ نے آقا کے لیے لفظ 'رب' کا استعمال فرمایا ہے۔ کتنے الفاظ زبان میں ایسے ہیں جو خدا کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں اور بندوں کے لیے بھی لیکن دونوں شکلوں میں ان کے مفہوم بالکل الگ الگ ہوتے ہیں۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۚ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۚ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ (۲۴)

'برہان رب' کا مفہوم

'برہان رب' سے مراد وہ نور یزدانی ہے جو اللہ تعالیٰ ہر انسان کی فطرت کے اندر ودیعت فرماتا ہے۔ جو خیر و شر میں امتیاز کا ذریعہ بھی ہے اور جو خیر پر ابھارتا بھی ہے اور برائی سے روکتا بھی ہے۔ یہ نور اللہ تعالیٰ بخشتا تو ہر ایک کو ہے لیکن سنت الٰہی یہ ہے کہ جو اس کی قدر کرتے اور اس کی رہنمائی قبول کرتے ہیں ان کے اندر تو یہ برابر قوی سے قوی تر ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ اتنا قوی ہو جاتا ہے کہ نہایت سخت آزمائش کے مواقع پر بھی وہ انسان کو نفس اور شیطان کے فتنوں میں مبتلا ہونے سے بچا لیتا ہے۔ برعکس اس کے جو لوگ اس کی قدر نہیں کرتے بلکہ برابر اس کی رہنمائی کو ٹھکراتے ہی رہتے ہیں ان کے اندر یہ آہستہ آہستہ، ضعیف ہوتے ہوتے بالکل بجھ جاتا ہے اور ان پر وہ سیاہی چھا جاتی ہے جو ان کو بصیرت سے بالکل ہی محروم اور اخلاقی اعتبار سے بالکل ہی اندھا بہرا بنا کر چھوڑ دیتی ہے۔ قرآن میں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشاد ہوا ہے۔ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (ہرگز نہیں ان کے دلوں پر ان کے اعمال کی سیاہی چھا گئی ہے)

باطن کا نور یزدانی

حضرت یوسفؑ ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے اس نور کی قدر کی۔ اس کا صلہ ان کو یہ ملا کہ اس نازک موقع پر جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے، اس نور نے ان کو نفس اور شیطان کی تاریکی میں گھر جانے سے بچا لیا۔ آیت کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ جہاں تک عورت کا تعلق ہے وہ تو بالکل اندھی بہری ہو کر پیچھے پڑ گئی تھی۔ حضرت یوسفؑ بھی اس وقت آخر جوان تھے۔ غالباً ۱۸، ۲۰ سال کی عمر ہوگی، کیا عجب تھا کہ ان کے قدم بھی لڑکھڑا جاتے۔ لیکن نہیں۔ ان کے اندر وہ نور یزدانی موجود تھا جس کی رہنمائی کو انھوں نے کبھی ٹھکرایا نہیں تھا۔ وہ اس موقع پر ان کے باطن میں چمکا اور دفعتہً آنکھوں کے سامنے سے ساری ظلمت کافور ہوگئی۔ فرمایا كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۚ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ۔ یعنی چونکہ وہ ہمارے منتخب اور برگزیدہ بندوں میں سے تھا جس کو ہم نے اپنے کار خاص کے لیے منتخب کیا تھا اس وجہ سے ہم نے اس نازک موقع پر اپنی برہان سے اس کی رہنمائی فرمائی تاکہ اس کو برائی اور بے حیائی سے محفوظ رکھیں۔ 'برہان' واضح دلیل اور

مُسکت حجت کو کہتے ہیں۔ اس دلیل سے زیادہ واضح اور مسکت دلیل اور کون ہو سکتی ہے جو خود اپنے باطن سے اذان دے!

عصمتِ انبیاء کے بعض پہلو

اس آیت سے عصمت انبیاء کے بعض پہلو بھی روشن ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو بعثت سے قبل بھی گناہوں کی آلودگی سے محفوظ رکھتا ہے۔ دوسرا یہ کہ نبی کے معصوم ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس سے گناہ کرنے کی قوت و صلاحیت سلب کر لی جاتی ہو بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ برابر اپنے نور فطرت کی نگرانی کرتے ہیں اس وجہ سے بالتدریج وہ اتنا قوی ہو جاتا ہے کہ سخت سے سخت آزمائش کے مواقع میں بھی وہ ان کو راہ سے بے راہ نہیں ہونے دیتا۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۭ قَالَتْ مَا جَزَاۗءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْۗءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۲۵)

عورت کا فریب

'استباق' کے معنی ہیں دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرنا۔

حضرت یوسفؑ نے جب دیکھا کہ اس فتنہ سے جان بچانے کی کوئی شکل باقی نہیں رہی ہے تو وہ دروازے کی طرف جھپٹے کہ کھول کر باہر نکل جائیں پیچھے سے عورت نے تعاقب۔ ان کو تو پکڑ نہ سکی البتہ ان کا کرتا اس کے ہاتھ میں آگیا۔ اس کو جو زور سے اس نے کھینچا تو وہ پھٹ گیا اور ساتھ ہی یہ سانحہ پیش آیا کہ دروازہ جو کھلا تو دیکھا کہ شوہر دروازے سے لگا کھڑا ہے۔ اس کو دیکھتے ہی سارا نشۂ عشق ہرن ہو گیا۔ جھٹ بولی کہ تمھاری بیوی کے ساتھ جو برائی کا ارادہ کرے یا تو وہ جیل بھیجے جانے کا مستحق ہے یا یہ کہ اس کو کوئی دردناک سزا دی جائے۔ اس طرح اس نے شوہر کی نظروں میں اپنے کو بری اور حضرت یوسفؑ کو مجرم ثابت کرنے کی کوشش کی۔

قَالَ هِىَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ (۲۶ - ۲۸)

قرائن کی شہادت

جب اس نے حضرت یوسفؑ کو متہم کرنے کی کوشش کی تو انھوں نے مختصر الفاظ میں اصل حقیقت ظاہر کر دی کہ اس میں میرا قصور نہیں ہے بلکہ یہی میرے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی خبر خاندان میں بھی پھیل گئی اور یہ بھی لوگوں کو علم ہو گیا کہ اس کشمکش میں یوسفؑ کا کرتا پھٹ گیا ہے۔ گویا ایک مقدمہ بن گیا۔ عورت کا بیان کچھ، یوسفؑ کا بیان کچھ۔ اب جھوٹا کون ہے اور سچا کون؟ اس کا فیصلہ کرتے میں اگر حالات و قرائن میں سے کوئی چیز مددگار ہو سکتی تھی تو کرتا پھٹنے کا واقعہ تھا۔ عورت کے خاندان کے لوگوں میں سے ایک شخص نے، جو غالباً خاندان کے بڑوں بوڑھوں میں سے رہا ہوگا، یہ رائے دی کہ اگر کرتا آگے سے پھٹا ہو تب تو عورت سچی ہے یوسفؑ غلط کہتے ہیں اور اگر کرتا پیچھے سے پھٹا ہو تو یوسفؑ سچے ہیں، عورت جھوٹ بولتی ہے۔ یہ بات نہایت معقول تھی اس وجہ سے شوہر کو اس پر اطمینان ہو گیا۔ جب اس نے دیکھا کہ یوسفؑ کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہے تو اس نے عورت کو ڈانٹا کہ یہ سب تمھارا فریب ہے اور تمھارا فریب بڑا ہی خطرناک ہوتا ہے۔ 'مِنْ كَيْدِكُنَّ' میں جمع کی ضمیر مرد کے غصہ کی

تیزی اور شدت کو ظاہر کرتی ہے۔ گویا اس کے اس فعل نے تنہا اس کو نہیں بلکہ اس کی پوری جنس کو اس کی نگاہوں میں کینا اور مبغوض بنا دیا۔

يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنْبِكِ ۖ إِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ (۲۹)

بیوی کو شوہر کی ڈانٹ

صحیح صورت حال سامنے آجانے کے بعد اس نے حضرت یوسفؑ کو مخاطب کرکے تو اطمینان دلایا کہ تم اس کی بکواس کی کوئی پروا نہ کرو، اس سے اعراض کرو۔ اور خود بیوی کو خطاب کرکے ڈانٹا کہ تو ہی خطاوار ہے اس وجہ سے اپنے گناہ کی معافی چاہ۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ توبہ اور استغفار کو مشرکانہ ادیان میں بھی ہمیشہ بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کا استغفار اپنے دیوتاؤں کے سامنے ہوتا ہے جن کی کوئی حقیقت نہیں۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ ۖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۖ إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (۳۰)

'عزیز' کا مفہوم

'عَزِيز' کے معنی غالب اور مقتدر کے ہیں۔ یہ لفظ بادشاہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور اونچے درجہ کے بااختیار و بااقتدار افسروں اور عہدہ داروں کے لیے بھی۔ چونکہ یہ شخص شاہی باڈی گارڈ کا افسر اعلیٰ تھا اس وجہ سے عورتوں نے اس کے لیے 'عزیز' کا لفظ استعمال کیا۔

شہر کی عورتوں میں چرچا

حضرت یوسفؑ کے ساتھ عزیز کی بیوی کے اس عشق کا چرچا آہستہ آہستہ افسانۂ بزم و انجمن بن گیا۔ شہر کی کچھ عورتوں نے، جو ہو سکتا ہے اسی طبقہ کی رہی ہوں جس طبقہ کی عزیز کی بیوی تھی، یہ کہنا شروع کیا کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کے عشق میں دیوانی ہو رہی ہے، اس پر ڈورے ڈال رہی ہے لیکن کچھ نہیں کر پا رہی ہے، ہم تو اس کو ایک صریح غلطی میں مبتلا دیکھ رہے ہیں۔ ان کے اس آخری فقرے میں ملامت، شماتت اور ادعا کے بہت سے پہلو مضمر ہیں۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ اوّل تو یہی بات بڑی عجیب ہے کہ ایک اعلیٰ عہدہ دار کی بیگم ہو کر اپنے غلام کے پیچھے اپنے کو خوار کرے پھر اس سے بھی عجیب تر ماجرا یہ کہ اس کو بھی رام نہ کر سکے۔ یہیں سے اس ملامت کے اندر یہ مضمون بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ عورت احمق ہے کہ بدنام بھی ہوئی اور نامراد بھی رہی، اگر کہیں ہم ہوتے تو ایک ہی غمزے میں یوسف کو ایسی پٹخنی دیتے کہ ان کی پارسائی کی ساری دھوم ختم ہو جاتی۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۖ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا إِنْ هٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ (۳۱)

'فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ'، یعنی جب عزیز کی بیوی نے سنا کہ ان عورتوں کو اپنی عشوہ طرازیوں، دلربائیوں اور کارفرمائیوں پر یہ ناز اور یہ غرّہ ہے تو اس کے دل کو بڑی چوٹ لگی اور اس نے یہ چاہا کہ یہ بھی ذرا یوسفؑ پر اپنے ہنر آزما دیکھیں تاکہ انھیں بھی اپنی قدر و قیمت کا اندازہ ہو جائے۔ چنانچہ اس نے ان کی دعوت کا انتظام کیا، ان کے لیے مصر کی اس وقت کی تہذیب کے مطابق گاؤ تکیوں سے نشست گاہ آراستہ کی، اور جب وہ آئیں

تو پھل وغیرہ کھانے کے لیے ان کے ہاتھوں میں چھریاں بھی پکڑا دیں۔ یہ اہتمام کرنے کے بعد اس نے حضرت یوسفؑ سے کہا کہ ذرا ان کے سامنے آجاؤ۔

عورتوں کا زعم اور ان کی ناکامی

فَلَمَّا رَاَیۡنَهٗۤ اَكۡبَرۡنَهٗ وَقَطَّعۡنَ اَیۡدِیَهُنَّ وَقُلۡنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیۡمٌ۔ 'اکبار' کے معنی ہیں کسی کو بہت بڑا سمجھنا اور دل میں اس کی عظمت اور بڑائی کا قائل ہو جانا یعنی جب حضرت یوسفؑ سامنے آئے تو ان کی نورانی صورت، ان کی تابناک پیشانی اور ان کا پاکیزہ چہرہ دیکھ کر عورتیں مبہوت رہ گئیں۔ سیرت و اخلاق کی پاکیزگی بجائے خود بڑی ہی دلربا چیز ہے اور جب ایک جوان رعنا کے اندر ہو جو شکلاً بھی خوب صورت ہو تو اس کی دلربائی دوچند ہو جاتی ہے۔ یہی واردات ان عورتوں پر گزری۔ وہ ایک نوجوان غلام کا تصور لے کر اس پر اپنے چلتر آزمانے آئی تھیں۔ یہاں انھوں نے دیکھا کہ ان کے سامنے پاکیزگی اور تقدس کا ایک پیکر قدسی کھڑا ہے۔ یہ دیکھ کر انھیں یہ اندازہ ہو گیا کہ اس ملائک صفت پر ان کے سارے تیرو نشتر بیکار ہیں لیکن چونکہ وہ بڑے دعوے اور طنطنے کے ساتھ آئی تھیں اس وجہ سے کچھ نہ کچھ کرنا بھی ضرور تھا۔ چنانچہ قرینہ بتاتا ہے اور شواہد قرآن سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ انھوں نے حضرت یوسفؑ کو اپنی باتوں سے کچھ رام کرنے کی کوشش کی لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ ان کی باتیں ان پر ذرا کارگر نہیں ہو رہی ہیں تو ان کے دل کے اندر اپنے حق میں ہمدردی پیدا کرنے کے لیے خودکشی کی دھمکی بھی دے دی اور ان میں سے بعض نے اس دھمکی کو سچ ثابت کرنے کے لیے ابتدائی اقدام کے طور پر پھل کھانے کی چھریوں سے اپنے ہاتھ زخمی بھی کر لیے تاکہ حضرت یوسفؑ اس کو نری دھمکی ہی نہ سمجھیں بلکہ ڈر جائیں کہ اگر انھوں نے ان کی بات نہ مانی تو ان میں سے بعض ضرور اپنے آپ کو ہلاک کر کے رہیں گی۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ خودکشی کی دھمکی عورت کے نہایت کارگر ہتھیاروں میں سے ہے۔ جب وہ مرد پر اپنے عشوہ و غمزہ کے ہتھیار کارگر ہوتے نہیں دیکھتی تو آخری حربہ وہ یہی آزماتی ہے۔ ان عورتوں نے بھی یہی کیا۔

یہ جو کچھ ہم نے عرض کیا ہے، محض ہمارا قیاس نہیں ہے۔ خود اسی سورہ میں آگے اس امر کی تصریح موجود ہے کہ ان عورتوں نے اس موقع پر حضرت یوسفؑ کو بہلانے پھسلانے کی کوشش کی اور اس امر کی بھی تصریح ہے کہ یہ ہاتھوں کو زخمی کر لینے کا معاملہ ان عورتوں کا ایک کید (چال) تھا۔ ملاحظہ ہو۔

فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوۡلُ قَالَ ارۡجِعۡ اِلٰی رَبِّكَ فَسۡـَٔلۡهُ مَا بَالُ النِّسۡوَةِ الّٰتِیۡ قَطَّعۡنَ اَیۡدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ بِكَیۡدِهِنَّ عَلِیۡمٌ ۔ قَالَ مَا خَطۡبُكُنَّ اِذۡ رَاوَدۡتُّنَّ یُوۡسُفَ عَنۡ نَّفۡسِهٖ ؕ (یوسف - ۵۱)	پس جب اس کے پاس قاصد آیا اس نے اس کو جواب دیا کہ تم اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لیے تھے بے شک میرا رب ان کی چال سے خوب واقف ہے۔ اس نے ان سے پوچھا کہ تمھارا کیا ماجرا ہوا جب کہ یوسف کو تم نے پھسلانے کی کوشش کی۔

خودکشی کی دھمکی بطور حربہ

غور کیجیے اگر واقعہ کی نوعیت یہ ہوتی کہ عورتیں حضرت یوسفؑ کے حسن و جمال سے بے خود ہو کر اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں تو اس میں چال کا کیا پہلو تھا کہ حضرت یوسفؑ اس کو کید سے تعبیر فرماتے، اور اگر انھوں نے حضرت یوسفؑ کو اپنے دام میں پھنسانے کی کوئی کوشش نہ کی ہوتی تو ان سے یہ سوال کیوں ہوتا کہ 'مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ' (تمھارا کیا ماجرا تھا جب کہ تم نے یوسف کو پھسلانے کی کوشش کی) ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ اگر عورتوں نے حضرت یوسفؑ کا دل جیتنے کے لیے کچھ باتیں کی تھیں تو قرآن نے ان کا ذکر کیوں نہیں کیا۔ اس سوال کا جواب ہماری طرف سے یہ ہے کہ اس قسم کی خرافات سے تعرض قرآن کے شایان شان نہیں ہے اس وجہ سے اس نے دو لفظوں میں یہ سارا دفتر سمیٹ دیا کہ انھوں نے حضرت یوسفؑ پر اپنے جلتر آزمائے تو انھیں اندازہ ہو گیا کہ باتوں سے ان کو شیشہ میں اتارنا مشکل ہے بالآخر انھوں نے خودکشی کی دھمکی کی نمائش کی لیکن یہ دھمکی بھی بے اثر ہی رہی۔

کمزوروں کا آخری حربہ

خودکشی کی دھمکی کمزوروں کا آخری حربہ ہے۔ ایک مرتبہ میں بمبئی میں ایک کرم فرما کی دکان پر بیٹھا ہوا تھا۔ اسی اثنا میں ایک سائل آیا اور دکان کے سامنے سڑک کی پٹڑی پر بیٹھ گیا۔ صاحب دکان نے اس کے سامنے ایک دونی یا چونی پھینک دی۔ اس نے کہا "سیٹھ پانچ روپے سے کم نہیں لوں گا"۔ سیٹھ صاحب نے اس کی بات کا خیال نہیں کیا، وہ بالکل بے پروا مجھ سے باتوں میں مشغول رہے۔ تھوڑی دیر اپنے فضل و کمال کی لاف زنیاں کرنے کے بعد اس نے پھر پانچ روپے کا مطالبہ کیا اور ساتھ ہی یہ دھمکی بھی سنا دی کہ اگر پانچ روپے نہ دیے گئے تو وہ یہیں جل مرے گا۔ سیٹھ اس کی یہ دھمکی سن کر بھی ٹس سے مس نہ ہوئے۔ بدستور مجھ سے باتوں میں لگے رہے۔ بالآخر میں نے دیکھا کہ اس نے دیا سلائی سے اپنے ایک پائنچہ میں آگ لگائی اور وہ جلنے لگا۔ یہ منظر دیکھ کر مجھے تو پسینہ آنے لگا۔ میں نے چاہا کہ میں اپنے پاس سے اس کا مطالبہ پورا کر کے کسی طرح اس قصہ کو ختم کروں لیکن سیٹھ صاحب اس بات پر بھی راضی نہ ہوئے۔ جب اس کا پائنچہ گھٹنے کے قریب تک جل گیا اور اس نے سیٹھ کو پسیجتے نہیں دیکھا تو جلدی جلدی اپنے ہی ہاتھوں سے آگ بجھائی اور وہاں سے چلتا ہوا۔ سیٹھ صاحب نے کہا ہمیں ایسے مکاروں سے روز سابقہ رہتا ہے۔ میں نے کہا، یہ سب زنانِ مصر کے بھائی معلوم ہوتے ہیں۔

'حاش للہ' کا مفہوم

حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ۔ حَاشَ لِلّٰهِ۔ استثنا اور تنزیہہ کا کلمہ ہے۔ یہ اس موقع پر بولا جاتا ہے جب اپنے آپ کو یا کسی اور کو کسی الزام سے بری ثابت کرنا ہو۔ 'مَا هٰذَا بَشَرًا' میں 'ما' 'لیس' کے مفہوم میں ہے اس وجہ سے 'بَشَرًا' منصوب ہے۔ قرآن میں اس کی نظیر موجود ہے۔

بیگمات کا اعتراف

ان بیگمات کا یہ اعتراف حضرت یوسفؑ کی کمال درجہ تعریف بھی ہے اور اپنی شکست کے لیے ایک عذر بھی۔ اس کے اندر یہ مضمون بھی مضمر ہے کہ اگر ہم ان کو جیت نہ سکے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ہمارے فن یا ہمارے حسن و جمال میں کوئی نقص تھا بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں مقابلہ ایک معزز فرشتہ سے کرنا پڑا جب کہ ہمارے سارے اسلحہ صرف انسانوں ہی پر کارگر ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ ؕ وَ لَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَ لَئِنْ لَّمْ یَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَیُسْجَنَنَّ وَ لَیَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِیْنَ (۳۲)

زلیخا کی دھمکی

ان عورتوں کی شکست سے زلیخا کے دل سے اپنی شکست کا غم جاتا رہا۔ اس نے بڑے تیکھے انداز میں ان عورتوں سے کہا کہ یہی ہے وہ جس کے بارے میں تم نے مجھے طعن وطنز کا نشانہ بنا لیا تھا۔ اب تو تمھیں اندازہ ہوا کہ اس کو جیتنا کوئی آسان کام نہیں تھا! اس میں شبہ نہیں کہ میں نے اس کا دل مٹھی میں لینے کی پوری کوشش کی، لیکن یہ اپنے کو بچالے گیا۔ لیکن صاف کہے دیتی ہوں کہ اگر اس نے میرا کہا نہ کیا تو لازماً جیل جائے گا اور ذلیل ہوگا۔ مطلب یہ کہ اگر میں محبت ہے اسے رام نہ کر سکی تو یہ نہ سمجھے کہ اس کی جان چھوٹ گئی۔ اب جیل کی ہوا کھائے گا اور ذلیل ہوگا۔ یہاں سے حضرت یوسفؑ کی آزمائش ایک نئی شکل اختیار کرتی ہے۔ ہوس کی محبت اپنی ناکامی کا انتقام لینے پر آمادہ ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ مصر میں غلاموں پر ان کے آقاؤں کو غیر محدود اختیار حاصل تھے۔ وہ ان سے ناراض ہونے کی صورت میں بے تکلف ان کو جیل بھجوا سکتے تھے۔ پھر یہاں تو معاملہ ایک اعلیٰ سرکاری عہدہ دار کی بیگم صاحبہ کا تھا، کس کی مجال تھی کہ ان کے ارادے میں فراحم ہو سکے۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ ۚ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ (۳۳)

حضرت یوسفؑ کی دعا

یہ دھمکی تو زلیخا نے حضرت یوسفؑ کو مرعوب کرنے کے لیے دی تھی کہ اس سے ڈر کر وہ اس کی خواہش پوری کرنے پر آمادہ ہو ہی جائیں گے لیکن حضرت یوسفؑ نے ہوس کے ان پھندوں کے مقابل میں جیل کی بیڑیوں کو بسا غنیمت جانا۔ انھوں نے فوراً دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے کہ پروردگار! ان کی دعوت ہوس کے مقابلے میں یہ جیل مجھے کہیں زیادہ عزیز و محبوب ہے اور ساتھ ہی ناز اور اعتماد کا یہ فقرہ بھی فرما گئے کہ "اگر تو نے ان کے ان فتنوں سے اب مجھے نہ بچایا تو میں ان کی طرف مائل اور جذبات سے مغلوب ہو جاؤں گا۔"

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (۳۴)

دعا کی قبولیت

حضرت یوسفؑ کی زبان سے یہ دعا اس وقت نکلی ہے جب وہ اپنی پوری طاقت اپنے ایمان و اخلاق کی حفاظت کے لیے نچوڑ چکے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ان بیگمات کی پیدا کی ہوئی پرفتن زندگی کے مقابل میں جیل کی پرمحن زندگی کو قبول کرنے پر راضی ہیں۔ جب بندہ اس حد تک اپنی استقامت دکھا دینے کے بعد اپنے آپ کو اپنے رب کے آگے ڈال دیتا ہے اور اس سے مدد مانگتا ہے تو اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے اور فوراً قبول ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت یوسفؑ کی دعا بھی قبول ہوئی اور شیطان کے ان نسوانی پھندوں سے انھوں نے نجات پائی۔ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ خدا سمیع و علیم ہے۔ وہ بندے کی دعائیں اور فریادیں سنتا اور دلوں کے احوال اور اسرار سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے۔

۶- آگے کا مضمون ـــــ آیات ۳۵-۵۳

حضرت یوسفؑ کی آزمائش کا نیا دور

یہاں سے حضرت یوسفؑ کی آزمائش کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ اگرچہ عزیز پر بھی اور زلیخا کے عزیزوں اور رشتہ داروں پر بھی اصل حقیقت پوری طرح واضح تھی لیکن انھوں نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ کچھ دنوں کے لیے حضرت یوسفؑ کو جیل بھجوا دیں۔ انھوں نے خیال کیا ہوگا کہ اس طرح لوگوں کی زبانیں بھی کچھ عرصہ کے بعد بند ہو جائیں گی اور نگاہوں سے دور ہو جانے کے سبب سے زلیخا کا خبط بھی جاتا رہے گا۔ جیل میں حضرت یوسفؑ کے دو ساتھی خواب دیکھتے ہیں، وہ خواب کی تعبیر حضرت یوسفؑ سے پوچھتے ہیں، حضرت یوسفؑ اس خواب کی تعبیر بتاتے ہیں جو بالکل صحیح ثابت ہوتی ہے۔ بالآخر یہیں سے ان کے لیے بادشاہ وقت کے ایک خواب کی تعبیر بتانے کی راہ کھلتی ہے جس کے بعد بادشاہ ان کا ایسا گرویدہ ہو جاتا ہے کہ ملک کے تمام سفید و سیاہ کا ان کو مالک بنا دیتا ہے ـــــ آیات کی تلاوت فرمائیے۔

ع ۱۴ — ترجمۂ آیات ۳۵-۵۳

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَا

أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا
لِلّٰهِ ؕ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوْا إِلَّا إِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٠﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ
رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَأَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّأْسِهٖ ؕ قُضِيَ
الْأَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿٤١﴾ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ أَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا
اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۫ فَأَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ
بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿٤٢﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّيْ أَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّأْكُلُهُنَّ ع ٥ ١٥
سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّأُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰٓأَيُّهَا الْمَلَأُ
أَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿٤٣﴾ قَالُوْٓا أَضْغَاثُ
أَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيْلِ الْأَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَقَالَ الَّذِيْ
نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيْلِهٖ فَأَرْسِلُوْنِ ﴿٤٥﴾
يُوْسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيْقُ أَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّأْكُلُهُنَّ
سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّأُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْٓ أَرْجِعُ إِلَى
النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٦﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَأَبًا ۚ فَمَا
حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ إِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَأْكُلُوْنَ ﴿٤٧﴾
ثُمَّ يَأْتِيْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ
إِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿٤٨﴾ ثُمَّ يَأْتِيْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ
يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿٤٩﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ ع ٦ ١٦

فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ
الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ مَا
خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا
عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ؗ
اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۵۱﴾ ذٰلِكَ لِیَعْلَمَ
اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ كَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ ﴿۵۲﴾
وَ مَاۤ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ
اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۳﴾

ترجمہ آیات ۳۵-۵۳

پھر نشانیاں دیکھ چکنے کے بعد انھیں مصلحت یہی معلوم ہوئی کہ اس کو کچھ مدت کے لیے
قید کردیں۔ اور اس کے ساتھ دو اور جوان بھی جیل خانہ میں داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک نے
کہا کہ میں اپنے آپ کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا کہ میں
اپنے کو دیکھتا ہوں کہ میں اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں جس میں سے چڑیاں کھا رہی ہیں۔
آپ ہمیں اس کی تعبیر بتائیے۔ ہم آپ کو خوب کاروں میں سے سمجھتے ہیں۔ اس نے کہا جو کھانا
تمھیں ملتا ہے وہ آئے گا نہیں کہ میں اس کے آنے سے پہلے پہلے تمھیں اس کی تعبیر بتا دوں گا۔
یہ اس علم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے۔ میں نے ان لوگوں کے مذہب کو چھوڑا
ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے یہی لوگ منکر ہیں۔ اور میں نے اپنے بزرگوں، ابراہیم
اور اسحٰق اور یعقوب کے مذہب کی پیروی کی۔ ہمیں حق نہیں کہ ہم کسی چیز کو اللہ کا شریک ٹھہرائیں۔
یہ اللہ کا ہم پر اور لوگوں پر فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے۔ اے میرے جیل کے

دونوں ساتھیو! کیا الگ الگ بہت سے رب بہتر ہیں، یا اکیلا اللہ ہی سب پر حاوی و غالب؟ تم اُس کے سوا نہیں پوجتے ہو مگر چند ناموں کو جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ چھوڑے ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔ اختیار و اقتدار صرف اللہ ہی کا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو۔ یہی دین قیم ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ۳۹ - ۴۰

اے میرے زندان کے دونوں ساتھیو، تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلانے کی خدمت انجام دے گا۔ رہا دوسرا تو اس کو سولی دی جائے گی پھر پرندے اس کے سر کو نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ اس امر کا فیصلہ ہوا جس کے بارے میں تم پوچھ رہے تھے۔ ۴۱

اور جس کے بارے میں اس نے خیال کیا کہ وہ چھوٹ جانے والا ہے اس سے اس نے کہا کہ اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کیجیو۔ تو شیطان نے اس کو اپنے آقا سے ذکر کرنا بھلا دیا پس وہ جیل خانہ میں کئی سال پڑا رہا۔ ۴۲

اور بادشاہ نے کہا کہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں جنھیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سبز بالیاں ہیں اور دوسری سات خشک۔ اے درباریو، میرے رویا کی مجھے تعبیر بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر دیتے ہو۔ وہ بولے یہ خواب پریشان ہیں اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر کے عالم نہیں۔ اور ان دونوں میں سے جو چھوٹ گیا تھا اور ایک مدت کے بعد اسے یاد پڑا، وہ بولا کہ میں آپ لوگوں کو اس کی تعبیر بتاؤں گا، پس مجھے جانے دیجیے۔ ۴۳ - ۴۵

یوسف! اے راست باز! ہمیں سات فربہ گائیوں کے بارے میں جنھیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سبز بالیوں اور دوسری سات خشک بالیوں کے بارے میں تعبیر بتا تاکہ میں

لوگوں کے پاس جاؤں تاکہ وہ بھی جانیں۔ اس نے کہا تم سات سال برابر کاشت کرو گے پس جو فصل کاٹو، اس قلیل مقدار کے سوا جو تم کھاؤ، اس کی بالیوں میں چھوڑ دیا کرو۔ پھر اس کے بعد سات سخت سال آئیں گے جو، بجز اس قلیل مقدار کے جو تم محفوظ کر لو گے اس کو چٹ کر جائیں گے جو تم نے ان کے لیے فراہم کیا ہوگا۔ پھر اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا جس میں لوگوں کی فریاد رسی ہوگی اور لوگ اس میں انگور نچوڑیں گے۔ ۴۶ - ۴۹

اور بادشاہ نے کہا کہ اس کو میرے پاس لاؤ۔ پس جب قاصد اس کے پاس آیا اس نے کہا کہ تم اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ اور اس سے دریافت کرو کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لیے تھے؟ بے شک میرا رب ان کے کید سے خوب واقف ہے۔ اس نے پوچھا، تمھارا کیا ماجرا ہے جب تم نے یوسف کو پھسلانے کی کوشش کی؟ وہ بولیں کہ حاشا للہ ہم نے اس پر برائی کا کوئی بھی نقش نہیں پایا۔ عزیز کی بیوی بولی اب حق آشکارا ہو گیا۔ میں نے اس کو پھسلانے کی کوشش کی۔ اور بے شک وہ راست بازوں میں سے ہے۔ ۵۰ - ۵۱

یہ اس لیے کہ وہ جان لے کہ میں نے پیٹھ پیچھے اس سے بے وفائی نہیں کی اور بے شک اللہ خائنوں کی چال کو چلنے نہیں دیتا۔ اور میں اپنے نفس کو بری نہیں قرار دیتا۔ نفس تو برائیوں ہی کی راہ سجھانے والا ہے مگر جب میرا رب رحم فرمائے۔ بے شک میرا رب بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے (۵۲ - ۵۳)

۷۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ (۳۵)

قید و بند کی آزمائش کا دور

'آیات' سے مراد یہاں حضرت یوسفؑ کی برات و بے گناہی کے دلائل و شواہد ہیں۔ یعنی عزیز اور اس کے رشتہ داروں پر اگرچہ یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو چکی تھی کہ یوسفؑ بالکل بے گناہ ہیں، سارا قصور زلیخا ہی کا ہے لیکن

اس زمانے کے جیل کی افسردہ اور یک رنگ زندگی میں کھانے کی تقسیم وغیرہ جیسے ایک آدھ واقعے ہی ایسے ہو سکتے ہیں جو زندگی میں ذرا تغیر کی علامت سمجھے جاتے ہوں گے اس وجہ سے حضرت یوسفؑ نے اسی کا حوالہ دے کر خوابوں کی تعبیر کے معاملے کو کچھ وقت کے لیے ٹال دیا۔ اس کا اثر تعبیر پوچھنے والوں پر تو یہ پڑا ہو گا کہ حضرت یوسفؑ نے ان کے خوابوں کو اہمیت دی ہے، وہ سرسری طور پر الٹی سیدھی کوئی بات بتا کر ان کو ٹالنا نہیں چاہتے بلکہ سوچ کر یا اپنے رب سے رجوع کرنے کے بعد ان کی تعبیر بتائیں گے اور ادھر خود حضرت یوسفؑ نے اس التوا سے اس حق کی تبلیغ کے لیے ایک نہایت اچھا موقع پیدا کر لیا جو ان کی زندگی کا سب سے زیادہ محبوب مقصد بن چکا تھا۔ انھوں نے جب دو دلوں کو اپنی طرف مائل دیکھا تو صرف ان کی اندھی بہری عقیدت ہی پر قانع نہیں ہو گئے بلکہ چاہا کہ ان کو اللہ کی بندگی کی وہ دعوت پہنچا دیں جو اگر وہ قبول کر لیں تو ان کی دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں۔ چنانچہ انھوں نے پہلی بات تو یہ فرمائی کہ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ یہ خوابوں کی تعبیر کا علم ان علموں میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھائے ہیں۔ مقصد یہ کہ اگر اس علم کو تم قدر و قیمت کی چیز سمجھتے ہو تو یاد رکھو کہ اس کا منبع اور سرچشمہ میں نہیں ہوں بلکہ میرا رب ہے۔ اس نے مجھے جو علم بخشے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ یعنی مجھ پر میرے رب کا یہ فضل جو ہوا تو اس وجہ سے ہوا کہ میں نے ان لوگوں کے مذہب کو چھوڑا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے۔ تیسری بات یہ فرمائی وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ یعنی یہی لوگ ہیں جو آخرت کے منکر ہیں اس لیے کہ جو لوگ سرے سے خدا ہی پر ایمان نہیں رکھتے ان کے آخرت کو ماننے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ جوں ہی حضرت یوسفؑ نے محسوس فرمایا کہ ان نوجوانوں کے دلوں میں کچھ صلاحیت ہے انھوں نے دین کی تمام بنیادی باتوں کی ان کے اندر تخم ریزی کر دی اور ساتھ ہی یہ تاثر بھی ان کو دے دیا کہ اگر یہ راہ اختیار کرنے کا حوصلہ ہے تو اس کے لیے ان لوگوں کی ملت چھوڑنی پڑے گی جو خدا اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

حضرت یوسفؑ کا یہ ارشاد کہ میں نے ان لوگوں کی ملت کو چھوڑا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، اس حقیقت کا اظہار ہے کہ انھوں نے اپنے باطن میں اچھی طرح تجزیہ اور تنقید کر کے حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا متعین کر لیا ہے اور حق کو جو اختیار کیا ہے تو مجرد اس لیے نہیں کہ میراث آبا ہے بلکہ اس لیے کیا ہے کہ وہی اختیار کرنے کی چیز ہے، اسی طرح اگر باطل کو چھوڑا ہے تو اس وجہ سے چھوڑا ہے کہ اس کا باطل ہونا پوری طرح واضح ہو چکا ہے

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ (۳۸)

اللہ پر ایمان نہ رکھنے والوں کی ملت کو چھوڑ کر جس ملت کو انھوں نے اختیار فرمایا، یہ اس کا بیان ہے۔ اس پورے سلسلۃ الذہب کی وضاحت اس وجہ سے ضروری تھی کہ مخاطب کہیں اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں کہ حضرت یوسفؑ جس ملت کی ان کو دعوت دے رہے ہیں یہ ان کی کوئی نو ایجاد ملت ہے بلکہ ان پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے کہ یہ وہی ملت ہے جس کو حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام جیسے اکابر و مشاہیر

نے اختیار فرمایا۔ ان اکابر کے نام تمام اطراف و دیار میں پھیلے ہوئے تھے اور عجب نہیں کہ حضرت یوسفؑ کے یہ زندان کے ساتھی بھی ان ناموں سے آشنا رہے ہوں۔

ملتِ توحید کی تاریخی و فطری عظمت

'مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ'۔ ملت توحید کی تاریخی عظمت و اہمیت واضح کرنے کے بعد یہ حضرت یوسفؑ نے اس کی فطری اور عقلی عظمت واضح فرمائی ہے کہ یہ حقیقت تو روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ایک خالق ہے جس نے یہ دنیا بنائی ہے، جس نے ہم کو زندگی بخشی ہے، جو رزق دیتا ہے اور جس کے اختیار میں ہماری زندگی اور موت ہے لیکن اس بات کی ہمارے سامنے کوئی ادنیٰ شہادت بھی موجود نہیں ہے کہ کوئی اور بھی ان کاموں میں اس کا شریک و سہیم ہے۔ تو جب اس چیز کی کوئی ادنیٰ شہادت ہمارے پاس موجود نہیں ہے، نہ ہماری عقل میں، نہ ہماری فطرت میں، نہ آفاق میں، نہ انفس میں تو ہمیں یہ کس طرح حق پہنچتا ہے کہ ہم خواہ مخواہ کسی چیز کو اس کی خدائی میں شریک اور حصہ دار بنا کے رکھ دیں۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۔ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۳۹ - ۴۰)

دعوتِ توحید

'يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ' کے خطاب میں جو بلاغت اور دل نوازی ہے وہ بالکل واضح ہے۔ بسا اوقات مصیبت کا اشتراک بھی شرکائے مصیبت کے دلوں میں ہمدردی، محبت، اخلاص اور باہمی خیر خواہی و غمگساری کے جذبات نہایت زور و قوت سے ابھار دیتا ہے۔ حضرت یوسفؑ نے اس خطاب سے اپنے ان ساتھیوں کے انہی جذبات کو ابھارا ہے تاکہ وہ ان کی طرف متوجہ ہوں اور ان کی وہ بات جو سرتاسر انہی کے نفع کے لیے ہے، گوش دل سے سنیں۔

'ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ' لفظ قہار پر ہم دوسرے مقام میں بحث کر کے بتا چکے ہیں کہ اس کا صحیح مفہوم وہ ہے جو لفظ کنٹرولر (CONTROLLER) کا ہے یعنی سب پر حاوی اور غالب جس کے حیطۂ اقتدار سے نہ کوئی باہر ہو، نہ باہر نکل سکے۔ مطلب یہ کہ جہاں تک ایک خدا کا تعلق ہے وہ تو ایک بدیہی حقیقت بلکہ ابدہ البدیہیات ہے، مشرک اور موحد سب اس کو مانتے ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ اس کے سوا اور بھی کچھ اس کے شریک ہیں تو یہ چیز نہایت مضبوط دلیل کی محتاج ہے۔ اگر اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے تو محض خواہش کی بنا پر کسی کو اپنے اوپر خدا بنا کر مسلط کر لینا کہاں کی دانشمندی ہے؟ ایک غلام کے سامنے اگر یہ سوال رکھا جائے کہ اسے بیک وقت ایک آقا کی غلامی پسند ہے یا کئی آقاؤں کی تو وہ متعدد آقاؤں کے مقابل میں ایک ہی آقا کی غلامی کو ترجیح دے گا۔ یہی انسان کی فطرت ہے۔ اسے اپنے اوپر کسی کو خدا بنا کر مسلط کرنے کا شوق نہیں ہے۔ وہ ایک خدا کو تو اس لیے مانتا ہے کہ اس کے ماننے پر اس کی عقل اور فطرت اس کو مجبور کرتی ہے، اس کے سوا دوسروں کو ماننے کے لیے کیا مجبوری ہے کہ وہ خواہ مخواہ ان کی غلامی کا پٹا بھی اپنی گردن میں ڈال لے۔ انسانی فطرت کی اسی حقیقت کی طرف قرآن نے سورہ زمر کی اس تمثیل میں اشارہ فرمایا ہے۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ

شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ ۲۹-زمر (اور اللہ تمثیل بیان کرتا ہے ایک ایسے غلام کی جس میں متعدد مختلف الاغراض شرکاء شریک ہیں اور ایک ایسے غلام کی جو پورا کا پورا ایک ہی آقا کی ملکیت ہے۔ کیا دونوں کی حیثیت ایک جیسی ہوگی) یہاں قہار کی صفت سے اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ جب خدا قہار بھی ہے یعنی سب پر حاوی و غالب اور یہ اس کی صفات کا لازمی تقاضا بھی ہے تو آخر وہ ضرورت کیا ہے جس کے لیے دوسروں کو اس کی خدائی میں شریک کیا جائے۔

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً، الآیۃ۔ یعنی یہ جن کو تم پوج رہے ہو یہ محض تمہارے وہم کے ایجاد کیے ہوئے نام ہیں، ان ناموں کا کوئی مسمٰی موجود نہیں ہے۔ تمہارے باپ دادا جس لکیر کو پیٹتے آئے اسی لکیر کو بے سمجھے تم بھی پیٹے رہے ہو۔ خدا نے تمہارے ان فرضی دیویوں اور دیوتاؤں کے حق میں کوئی دلیل نہیں اتاری۔ حکم اور فیصلہ، امر اور قضا سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے اور اس نے صرف اپنی عبادت کا حکم دیا ہے اور یہی سیدھا، مستقیم اور فطری دین ہے۔ اس کے علاوہ جتنے بھی طریقے ہیں سب فطرتِ انسانی سے ہٹے ہوئے اور انسان کو پیچ کی راہوں میں گم کرنے والے ہیں لیکن لوگوں کی اکثریت اپنی شامتِ اعمال سے اس حقیقت سے بے خبر ہے۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ (۴۱)

خوابوں کی تعبیر

حضرات انبیاء علیہم السلام کے دل و دماغ پر سب سے زیادہ حاوی اور غالب چونکہ اللہ کے دین کی دعوت ہی ہوتی ہے اس وجہ سے جب کبھی اور جہاں کہیں بھی اس کا موقع ان کو ہاتھ آ جاتا ہے وہ اس سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ حضرت یوسفؑ نے جب دیکھا کہ ان کے زندان کے ساتھی حسن ظن اور اعتماد کے ساتھ ان کی طرف متوجہ ہوئے ہیں تو پہلے تو انھوں نے ان کو خدا کی توحید کی دعوت پہنچائی اس کے بعد انہیں ان کے خوابوں کی تعبیر بھی بتا دی فرمایا کہ تم میں سے ایک، جس نے شراب نچوڑنے کا خواب دیکھا ہے، وہ تو قید سے رہائی پائے گا اور اپنے آقا کی ساقی گری کی خدمت انجام دے گا۔ رہا دوسرا، جس نے اپنے سر پر روٹیوں کے ٹوکرے سے چڑیوں کو نوچ نوچ کر کھاتے دیکھا، اس کو پھانسی ہوگی اور چڑیاں اس کے سر کو نوچ نوچ کر کھائیں گی۔ فرمایا کہ یہ ہے تمہارے ان خوابوں کی تعبیر جن کے باب میں تم نے مجھ سے سوال کیا تھا۔ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔

وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ؗ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ (۴۲)

جائز مقصد کے لیے جائز تدبیر

وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۔ ان دونوں میں سے ایک سے، جس کی نسبت حضرت یوسفؑ کو اس کے خواب کی بنا پر گمان تھا کہ وہ جیل سے چھوٹ جائے گا، حضرت نے یہ خواہش کی کہ اگر کوئی مناسب موقع پیدا ہو تو اپنے آقا سے میرا ذکر کرنا۔ آقا سے مراد یہاں بادشاہ ہے اس لیے کہ وہ، جیسا کہ اوپر گزرا، بادشاہ کا ساقی تھا۔ ذکر سے مراد ظاہر ہے کہ ان ہی باتوں کا ذکر ہے جو جیل کی اس معیت کے دوران میں اس کے اپنے علم و مشاہدہ

میں آئی تھیں، خاص طور پر خواب کی تعبیر کے معاملے کا ذکر جو ایک اہم واقعہ بھی تھا اور بادشاہوں کے دربار میں اس طرح کے معاملات آئے دن پیش آتے بھی رہتے ہیں، حضرت یوسفؑ نے اس خواہش کا اظہار اس توقع کی بنا پر کیا ہو گا کہ جہاں داد فریاد اور عدل و انصاف کے سارے دروازے بند ہیں، شاید اسی راہ سے اس مظلومانہ قید سے چھوٹنے کی کوئی شکل پیدا ہو۔ کسی جائز مقصد کے لیے جائز تدابیر و وسائل کا اختیار کرنا توکل اور اعتماد علی اللہ کے منافی نہیں ہے۔ توکل کے منافی یہ ہے کہ آدمی حالات سے دل شکستہ ہو کر ناجائز تدابیر کے اختیار کرنے پر اتر آئے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول بندہ وہ نہیں ہے جو توکل کے نام پر ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہے بلکہ وہ ہے جو کارزارِ حیات میں اترے، وسائل و تدابیر سے کام لے، اسباب و ذرائع کو استعمال کرے لیکن ہر کام پر خدا کے حدود و قیود کا احترام پورا پورا ملحوظ رکھے، یہی وہ اصلی امتحان ہے جس کے لیے خدا نے خلق کو پیدا کیا ہے اور جو اس دنیا کے وجود کی غایت ہے۔

تقدیرِ الٰہی کا فیصلہ

'فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ'۔ 'ذِكْرَ رَبِّهٖ' میں اضافت کی نوعیت وہی ہے جو 'مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ' وغیرہ میں ہے۔ یعنی جیل سے چھوٹنے والا غلام اپنے آقا یعنی بادشاہ کے سامنے حضرت یوسفؑ کا ذکر کرنا بھول گیا۔ اس بھول جانے کو شیطان کی طرف منسوب فرمایا ہے اس لیے کہ کسی نیکی کے کام سے غافل کرنا شیطان ہی کا کام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تدابیر و وسائل کو اختیار کرنا تو انسان کے فرائض میں سے ہے لیکن ان تدابیر و وسائل کا بروئے کار آنا اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی حکمت پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کا اقتضا یہ تھا کہ ابھی حضرت یوسفؑ کچھ سال اور جیل ہی میں گزاریں۔ چنانچہ یہ بات یوں پوری ہو گئی کہ حضرت یوسفؑ کا جیل سے چھوٹنے والا ساتھی جیل سے باہر آ کر بالکل یاد نہ رکھ سکا کہ زندان کے ساتھی نے اس سے کیا بات کہی۔

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۭ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ (۴۳)

بادشاہ کا خواب

جب اللہ تعالیٰ کسی بات کو چاہتا ہے تو خواہ وہ کتنی بعید از قیاس ہو اس کے اسباب خود بخود پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس دوران میں خود بادشاہ نے ایک خواب دیکھا کہ سات فربہ گائیں ہیں، سات دبلی، اور یہ دبلی گائیں فربہ گایوں کو نگلے جا رہی ہیں۔ اسی طرح سات سبز بالیاں ہیں اور دوسری سات خشک اور یہ سات خشک بالیاں ساتوں سبز بالیوں کو کھا رہی ہیں۔ بادشاہ کو یہ خواب بڑی اہمیت رکھنے والا محسوس ہوا چنانچہ اس نے اپنے درباریوں کو یہ خواب سنایا اور ان سے کہا کہ اگر آپ لوگ خوابوں کی تعبیر کرتے ہیں تو ذرا میرے اس خواب کی تعبیر بتلائیے۔ بادشاہ کے اس آخری فقرے سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ اس کی نظر میں اس خواب کی بڑی اہمیت تھی اور وہ یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ اس کی تعبیر بتانا ان لال بجھکڑوں کے لیے کچھ آسان نہیں ہے۔

آیت میں 'وَاُخَرَ يٰبِسٰتٍ' کے بعد 'يَاْكُلْنَ' کا لفظ محذوف ہے، قرینہ کی موجودگی کے سبب سے اس کو حذف کر دیا گیا ہے۔ آگے آیت ۴۸ میں اس کی وضاحت ہو گئی ہے۔ ہم نے ترجمہ میں اس کو کھول دیا ہے۔

قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ (۴۴)

درباریوں کا جواب

'ضغث' خس و خاشاک کے گٹھے کو کہتے ہیں، اسی کی جمع 'اضغاث' ہے جو بے حقیقت باتوں اور خبروں کے مجموعہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ پھر اسی سے 'اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ' کی ترکیب پیدا ہو گئی جس سے مراد وہ خواب پریشان ہوتے ہیں، جو لوں ہی تخمیر معدی یا کسی اور باعث سے نظر آجاتے ہیں، ان کے اندر کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔

دربار کے معبّروں نے یہ فقرہ کہہ کر اول تو بادشاہ کی پریشانی دور کرنے کی کوشش کی کہ جہاں پناہ اس خواب کی زیادہ فکر نہ کریں، یہ خواب پریشان کی نوعیت کی چیز ہے، اس طرح کے خوابوں کے اندر کوئی تعبیر نہیں ہوتی اور ساتھ ہی اپنا بھرم بھی قائم رکھنے کی کوشش کی کہ ہمارا کام بامعنی خوابوں کی تعبیر بتانا ہے نہ کہ خواب ہائے پریشان کی۔

وَقَالَ الَّذِىْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ (۴۵)

'اِدَّكَرَ'، 'اِذْدَكَرَ' اور 'اِذْدَكَرَ' تینوں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور 'امۃ' یہاں زمانہ اور مدت کے معنی میں ہے۔

شاہی ساقی کی پیشکش

اس خواب کی تعبیر سے درباری معبّروں کی بے بسی نے شاہی ساقی کو جو جیل سے چھوٹا تھا، ایک مدت کے بعد، اپنے خواب کا قصہ یاد دلایا جس کی تعبیر حضرت یوسفؑ نے بتائی تھی اور جو بالکل صحیح نکلی تھی۔ اس نے فوراً آگے بڑھ کر عرض کی کہ اس خواب کی تعبیر آپ لوگوں کو میں بتاؤں گا، تو مجھے اس سے ملنے کے لیے جانے دیں جس سے اس مقصد کے لیے میں ملنا چاہتا ہوں۔

يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِىْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّىْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ (۴۶)

حضرت یوسفؑ سے ساقی کی درخواست

یہاں اتنی بات قرینہ کی موجودگی کے سبب سے حذف کر دی گئی کہ بالآخر درباریوں نے ساقی کو حضرت یوسفؑ کے پاس جانے کی اجازت دے دی اور وہ جیل خانہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس نے جاتے ہی حضرت یوسفؑ کو 'اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ' سے خطاب کیا جس کے معنی ہیں اے راست باز، اے پیکر صداقت، اے صدق مجسم، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجرد اپنی خواب کی تعبیر کی بنا پر حضرت یوسفؑ کا معتقد نہیں ہو گیا تھا بلکہ ایک مدت تک جیل میں ان کی زندگی کی پاکبازی اور صداقت کا اس کو جو تجربہ ہوا تھا اس نے ان کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ چنانچہ اس نے ان کو، اے خوابوں کی تعبیر بتانے والا، سے خطاب کرنے کی بجائے' اے مرد راست باز' سے خطاب کیا جو تمام اوصاف حسنہ سے متصف ہونے کی ایک جامع اور کامل تعبیر ہے۔

اس خطاب کے بعد اس نے خواب کا ذکر کیا کہ سات دبلی گائیں ہیں جو سات فربہ گایوں کو نگل رہی ہیں اور سات خشک بالیاں ہیں جو سات سرسبز بالیوں کو کھا رہی ہیں۔ خواب کی تعبیر پوچھنے کے ساتھ ساتھ اس نے اشارۃً اس بات کا بھی ذکر کر دیا کہ باہر لوگ اس خواب کی تعبیر کے باب میں پریشان ہیں اس وجہ سے آپ مجھے جتنی جلدی ممکن ہو اس خواب کی تعبیر بتائیے تاکہ میں باہر جا کر لوگوں کو بتا سکوں اور انھیں اطمینان ہو۔ 'لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ' میں ایک نہایت لطیف اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ لوگ تو یوں ہی اٹکل کے تیر تکے چلا رہے ہیں البتہ آپ جو

بات بتائیں گے وہ صحیح علم پر مبنی ہوگی اور اس سے لوگوں کو رہنمائی حاصل ہوگی۔

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ۝ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ۝ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ (۴۷-۴۹)

'تَزْرَعُوْنَ' ہے تو خبر کے اسلوب میں لیکن ہے یہ امر کے مفہوم میں۔ ہم دوسرے مقام میں یہ بتا چکے ہیں کہ جب موقع و محل رہنمائی، مشورہ اور ہدایت دینے کا ہو تو ایسے مواقع میں امر کی بجائے خبر کا اسلوب ہی موزوں رہتا ہے۔ قرآن میں اس کی نظیریں بہت ہیں۔

خواب کی تعبیر

یہ حضرت یوسفؑ نے خواب کی تعبیر بھی بتا دی اور ساتھ ہی اس سات سالہ ہولناک قحط کے مقابلہ کی تدبیر کی طرف بھی رہنمائی فرما دی جس کی اس خواب نے خبر دی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ سات سال مسلسل کاشت کرتے جاؤ تو جو فصل کاٹو اس میں سے غذائی ضرورت کے بقدر الگ کر کے صاف کر لو بقیہ سارا غلہ اس کی بالیوں ہی میں چھوڑتے جاؤ تا کہ وہ محفوظ رہے۔ یہ بات یہاں ذہن میں رکھنے کی ہے کہ دانے جب تک بھس اور بالیوں کے اندر رہتے ہیں دیمک، سرسری اور کیڑوں مکوڑوں کی آفت سے بچے رہتے ہیں۔

اس کے بعد خواب کے دوسرے حصے کی تعبیر یہ بتائی کہ سات سال متواتر نہایت سخت قحط کے آئیں گے جو اس سارے ذخیرے کو چٹ کر جائیں گے جو تم قحط کے مقابلے کے لیے جمع کرو گے۔ اس محفوظ ذخیرے میں سے بہت تھوڑا حصہ تم بچا پاؤ گے۔ ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی سنا دی کہ اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا جس میں لوگوں کی فریاد رسی ہوگی یعنی لوگوں کی چیخ و پکار اور دعا و فریاد کی خدا کے ہاں شنوائی ہوگی، اس کا ابر کرم برسے گا، انگوروں کی فصل خوب بار آور ہوگی اور لوگ خوب انگور نچوڑیں گے۔

'یُغَاثُ' کا مطلب بعض لوگوں نے بارش بھی لیا ہے لیکن میرے نزدیک بارش اس کا لغوی مفہوم نہیں ہے البتہ اس کے لازم معنی کی حیثیت سے اس کو اس کے مفہوم میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ لفظ کو اس کے لغوی مفہوم میں لینے کا ایک کھلا ہوا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ہمہ گیر اثر کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے کہ سارے ہی لوگ اس کے اثر سے چیخ اٹھیں گے اور ہر شخص اپنے رب کے آگے روئے اور گڑگڑائے گا۔ یہ بات یہاں یاد رکھنے کی ہے کہ جب حقیقی معنوں میں کوئی سخت وقت آپڑتا تو، جیسا کہ قرآن میں تصریح ہے، کٹر سے کٹر کافر و مشرک بھی اکیلے خدا ہی کو پکارتے ہیں، اپنے دوسرے فرضی دیویوں اور دیوتاؤں کو بھول جاتے ہیں۔ پھر یہ زمانہ قحط تو، جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی، پورا کا پورا اہل مصر نے حضرت یوسفؑ کی رہنمائی میں گزارا ہے جس میں بادشاہ سے لے کر عوام تک سب ان کے گرویدہ، تابع فرمان اور معتقد رہے ہیں۔

'یَعْصِرُوْنَ' کے لفظ سے بھی مقصود اس کے لازم کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ یعنی خوب بارش ہوگی۔ انگور کی بیلیں خوب پھلیں پھولیں گی، لوگ خوب انگور نچوڑیں گے۔ ساتھ ہی اس میں ایک لطیف تلمیح بھی پیدا ہو گئی ہے۔ وہ یہ کہ پوچھنے والا، جیسا کہ اوپر گزرا ہے، بادشاہ کا خاص ساقی تھا۔ اس مناسبت سے 'یَعْصِرُوْنَ' کے لفظ نے کلام میں

ایک خاص لطف پیدا کر دیا ہے جو اہلِ ذوق سے مخفی نہیں ہے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۚ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ (۵۰)

حضرت یوسفؑ کو بادشاہ کی دعوت اور ان کا جواب

یہاں بھی سرگزشت کا اتنا حصہ محذوف ہے جتنا سیاقِ کلام سے خود واضح تھا یعنی بادشاہ کے قاصد نے حضرت یوسفؑ کی بیان کردہ تعبیر بادشاہ کو جا کر سنائی۔ بادشاہ اپنے خواب کی تعبیر سن کر اتنا متاثر ہوا کہ اس نے فوراً حکم دیا کہ اس قیدی کو میرے پاس لاؤ۔ قاصد پھر حضرت یوسفؑ کے پاس گیا اور خوش خوش ان کو مژدہ سنایا کہ بادشاہ نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔ قاصد کو تو یہ توقع رہی ہوگی کہ ایک قیدی، جو برسوں سے، جیل کی شقتیں جھیل رہا ہے، اپنی رہائی کا یہ مژدہ سن کر پھولا نہ سمائے گا اور فوراً اس کے ساتھ ہو لے گا لیکن حضرت یوسفؑ نے اس کی توقع کے بالکل خلاف اس کو یہ جواب دیا کہ تم اپنے آقا (بادشاہ) کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ ان عورتوں کا کیا قصہ ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لیے تھے؟ مطلب یہ ہے کہ اس واقعہ کی تحقیق ہونی چاہیے، جس کو بہانہ بنا کر مجھے جیل بھیجا گیا تھا۔ یوں میرا رب تو ان کی سازش سے اچھی طرح واقف ہی ہے اور میرے اعتماد کے لیے اس کا واقف ہونا ہی کافی ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ میری رہائی سے پہلے اس واقعہ کی تحقیق ہو جائے تاکہ بعد میں اس کے سبب سے کسی کو میرے خلاف لب کشائی کی جرأت نہ ہو سکے۔ حضرت یوسفؑ کے اس ارشاد کی تہ میں اتر کر غور کیجیے تو یہ حقیقت واضح ہوگی کہ انھوں نے محض بادشاہ کے وقتی حسنِ ظن سے فائدہ اٹھا کر اپنی رہائی اور بادشاہ کے تقرب کو پسند نہیں فرمایا بلکہ سب سے زیادہ اہمیت الزام سے براءت کو دی اور اپنی سچائی اور اپنے رب پر انھیں اس درجہ اعتماد تھا کہ اس بات کی ذرا پروا نہ ہوئی کہ فریقِ ثانی انھیں ملزم بنانے کے لیے کیا دروغ بافیاں کر سکتا ہے۔

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدْتُنَّ يُوسُفَ عَنْ نَفْسِهِ ۚ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ ۚ قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ (۵۱)

عورتوں کے واقعہ کی تحقیق

یہاں بھی قرینہ کی وضاحت کی بنا پر اتنا حصہ محذوف ہے کہ قاصد نے حضرت یوسفؑ کی بات بادشاہ کو پہنچا دی۔ چنانچہ بادشاہ نے ان عورتوں کو بلوایا اور ان سے پوچھا کہ تمھارا کیا ماجرا ہے جب کہ تم نے یوسفؑ کو پھسلانے کی کوشش کی؟ بادشاہ کے سوال کے الفاظ سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ کم از کم اس مرحلے میں اس پر یہ حقیقت بالکل واضح ہو چکی تھی کہ یہ سارا چھل فریب ان عورتوں ہی کا تھا، یوسفؑ اس معاملے میں بالکل بے قصور تھے۔ اگر بادشاہ پر یہ حقیقت واضح نہ ہوتی تو سوال کا انداز اس سے مختلف ہوتا۔ یعنی وہ یوں پوچھتا کہ یہ کیا واقعہ ہے جو یوسفؑ کے ساتھ تمھیں پیش آیا؟ اصل یہ ہے کہ سچائی اپنے ظہور کے لیے صبر کا مطالبہ کرتی ہے۔ اگر کوئی اللہ کا بندہ اس کو اختیار کر لے اور جو صبر اس کے لیے مطلوب ہے اس کا حق ادا کر دے تو وہ وقت لازماً آتا ہے جب اس کی صداقت کی صدائے بازگشت در و دیوار سے سنائی دیتی ہے۔ یہاں تک کہ دشمن بھی جیسا کہ آپ دیکھیں گے، اس کی گواہی دیتے ہیں۔

قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ 'حاشا' اور 'حاش' استثنا اور تنزیہ کے کلمے ہیں جو اس وقت بولے جاتے ہیں جب کسی کو کسی الزام یا تہمت سے بری ثابت کرنا ہو۔

عورتوں کا اعترافِ حق

ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں کہ حضرت یوسفؑ کے عظیم صبر نے حالات کا رخ اس طرح بدل دیا تھا کہ کسی کے لیے بھی یہ ممکن نہیں رہ گیا تھا کہ وہ ان کے خلاف کچھ کہہ سکے۔ چنانچہ ان عورتوں نے بھی نہایت کھلے دل سے اعتراف کیا کہ ہم نے اچھی طرح ٹٹول کر دیکھا لیکن ان پر برائی کا کوئی نقش نہیں پایا اور خود عزیز کی بیوی، جس نے یہ سارا فتنہ اٹھایا تھا، اعترافِ حق میں ان عورتوں سے بھی آگے نکل گئی۔ اس نے کہا، اب تو حق پوری طرح آشکارا ہو ہی گیا، اب چھپانے سے کیا حاصل، اصل یہ ہے کہ میں نے ہی ان پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی لیکن یہ بالکل محفوظ رہے، بلاشبہ یہ راست بازوں میں سے ہیں۔

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ۝ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۵۲-۵۳)

تحقیقات کے مطالبہ کی وجہ

اپنا دامن بے داغ ثابت ہو جانے کے بعد یہ حضرت یوسفؑ نے اس بات کی وجہ بھی بتا دی کہ انھوں نے اس قضیہ کو از سر نو چھیڑنا کیوں ضروری سمجھا جب کہ بادشاہ اس معاملے کو زیرِ بحث لائے بغیر ان کو رہا کر رہا تھا۔ فرمایا کہ ایسا میں نے اس لیے کیا کہ بادشاہ پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے کہ مجھے بالکل بے گناہ جیل میں ڈالا گیا تھا۔ میں نے عزیز کے ساتھ اس کی پیٹھ پیچھے کوئی بے وفائی نہیں کی تھی اور یہ حقیقت بھی اچھی طرح واضح ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ خائنوں اور بے وفاؤں کی چال کو کامیاب و بامراد نہیں کرتا بلکہ بالآخر وہ نامراد ہوتے ہیں اور جو لوگ سچائی اور وفاداری پر استوار رہتے ہیں وہی سرخرو اور بامراد ہوتے ہیں۔

ہمارے نزدیک 'لِيَعْلَمَ' کی ضمیر کا مرجع بادشاہ ہے جس کا ذکر اوپر کی آیات میں نہایت واضح الفاظ میں ہوا ہے، اور 'اَخُنْهُ' کی ضمیر کا مرجع عزیز ہے جس کے لیے واضح قرینہ موجود ہے۔ اگر قرائن موجود ہوں تو ضمیروں میں اس قسم کا انتشار کوئی عیب نہیں ہے۔

اس کے بعد حضرت یوسفؑ نے یہ حقیقت بھی واضح فرما دی کہ کوئی میرے اس رویہ سے اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ اپنے نفس کو میں گناہوں سے بالاتر سمجھتا ہوں۔ نفس میرے ساتھ بھی ہے اور وہ برائی کے لیے وسوسہ اندازیاں بھی کرتا رہتا ہے۔ اس کے فتنوں سے محفوظ تو آدمی اسی وقت تک رہتا ہے جب تک خدا کی رحمت اور اس کا فضل شاملِ حال رہے۔ سو میں اگر فتنوں سے محفوظ رہا تو اس وجہ سے نہیں کہ میں اپنے اندر نفس نہیں رکھتا تھا بلکہ صرف اس وجہ سے محفوظ رہا کہ میرے رب کی رحمت و عنایت نے میری دست گیری فرمائی۔ میرا رب بخشنے والا اور مہربان ہے۔ 'اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ' میں 'مَا'، ہمارے نزدیک ظرفیہ ہے۔

ایک سنتِ الٰہی

یہاں یہ سنتِ الٰہی یاد رکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نیکی اور بدی الہام فرما کر اس کو اختیار دیا ہے کہ وہ بدی کی راہ اختیار کرے یا نیکی کی۔ اگر وہ نیکی کی راہ اختیار کرتا ہے اور اس راہ میں پیش آنے والی آزمائشوں کا پامردی

سے مقابلہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف رحمت و عنایت سے متوجہ ہوتا ہے اور اس کی راہ کو آسان کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ منزلِ مقصود پر پہنچ جاتا ہے اور اگر کوئی شخص نیکی کی راہ چھوڑ کر بدی کی راہ اختیار کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اسی راہ میں بڑھنے کے لیے ڈھیل دے دیتا ہے۔ حضرت یوسفؑ نے نفس کے اعلیٰ داعیات کو اختیار فرمایا اور اس راہ کی تمام مزاحمتوں کا پوری پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ نفس کے سفلی داعیات ان کے آگے سپرانداز ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مرتبۂ بلند کی سرفرازی بخشی جو ان کے لیے مقدر تھا۔

۸۔ آگے کا مضمون —— آیات ۵۴-۱۰۱

حضرت یوسفؑ کی زندگی کا نیا دور

اب آگے حضرت یوسفؑ کی زندگی کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف جیل سے چھوٹتے ہیں بلکہ عملاً پورے مصر کی حکومت ان کے انگوٹھے کے نیچے آجاتی ہے۔ سات سالہ قحط کے مقابلہ کے لیے وہ حالات کو اس خوبی سے سنبھالتے ہیں کہ نہ صرف ملک کی غذائی ضروریات پوری کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں بلکہ پاس پڑوس کے ملکوں کی مشکلات حل کرنے میں بھی ان کی مدد کرتے ہیں۔ اپنے جن بھائیوں کی عنایت سے وہ عزیزِ مصر کی غلامی اور بالآخر جیل تک پہنچے تھے، اس دورِ اقتدار میں وہ بھی ان کی خدمت میں غلہ لینے کے لیے حاضر ہوتے ہیں اگرچہ انھیں یہ پتہ نہیں ہوتا کہ یہ ان کا وہی بھائی ہے جس کو انھوں نے ایک اندھے کنوئیں میں پھینکا تھا۔ ان کی اس بے خبری میں حضرت یوسفؑ بعض لطیف طریقوں سے ان کا امتحان بھی کرتے ہیں کہ اندازہ ہو سکے کہ وہ سب کچھ کر گزرنے کے بعد، جو انھوں نے ان کے ساتھ کیا، ان کے باطن میں تبدیلی ہوئی یا نہیں۔ بالآخر وہ وقت آتا ہے کہ ان پر یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جس کے سامنے وہ سائلانہ حاضر ہیں یہ ان کا وہی بھائی ہے جس کو انھوں نے کنوئیں میں پھینکا تھا۔ اس کے بعد حضرت یوسفؑ اپنے تمام بھائیوں اور ماں باپ کو اپنے پاس بلواتے ہیں۔ وہ آتے ہیں تو حضرت یوسفؑ کے دربار میں ان کو سر جھکا کر تعظیم بجا لاتے ہیں اور اس طرح حضرت یوسفؑ کا وہ خواب سچا ثابت ہو جاتا ہے جو انھوں نے دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں ـــ آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۵۴-۱۰۱

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ﴿٥٤﴾ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ﴿٥٥﴾ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ ۖ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا

ع ۸ ۱

يَتَّقُونَ ﴿۵۷﴾ وَجَآءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ
لَهُ مُنكِرُونَ ﴿۵۸﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم
مِّنْ أَبِيكُمْ ۚ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿۵۹﴾
فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِندِي وَلَا تَقْرَبُونِ ﴿۶۰﴾ قَالُوا
سَنُرَاوِدُ عَنْهُ أَبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ ﴿۶۱﴾ وَقَالَ لِفِتْيَانِهِ اجْعَلُوا
بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۶۲﴾ فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ أَبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِعَ
مِنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا أَخَانَا نَكْتَلْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿۶۳﴾
قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمِنتُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِن قَبْلُ ۖ
فَاللَّهُ خَيْرٌ حَافِظًا ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿۶۴﴾ وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ
وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ ۖ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي ۖ هَٰذِهِ
بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا ۖ وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ
بَعِيرٍ ۖ ذَٰلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ ﴿۶۵﴾ قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّىٰ تُؤْتُونِ
مَوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلَّا أَن يُحَاطَ بِكُمْ ۖ فَلَمَّا آتَوْهُ
مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿۶۶﴾ وَقَالَ يَا بَنِيَّ لَا تَدْخُلُوا
مِن بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۖ وَمَا أُغْنِي عَنكُم
مِّنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ ۖ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَعَلَيْهِ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُم مَّا

كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ
قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ ع ۸
وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا
تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ
فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا
وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ
جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ
مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ
اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ
كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ
ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ
لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ
وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾ قَالُوْۤا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ
مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ
شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗۤ
اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾
قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ
اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا اسْتَيْئَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ ع ۹

تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا
فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ
اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ
ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾
وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾
قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ
يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ
قَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰي يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾
قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ
مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ
مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَ
اَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا
الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا
وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ
عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ
بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ
قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَ
يَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ

اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿٩١﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ
يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿٩٢﴾ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا
فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٩٣﴾

ع ١٠ ١٤

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ
تُفَنِّدُوْنِ ﴿٩٤﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿٩٥﴾ فَلَمَّآ اَنْ

الربع

جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ
اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٩٦﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا
ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ﴿٩٧﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ
الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿٩٨﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ
وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى
الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ
قَبْلُ ۡ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ
وَجَاۗءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ
اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿١٠٠﴾ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ
مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ
بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿١٠١﴾

ترجمہ آیات ۵۴-۱۰۱

اور بادشاہ نے کہا، اس کو میرے پاس لاؤ، میں اس کو اپنا معتمد خاص بناؤں گا۔ پھر جب

اس سے بات چیت کی تو کہا اب تم ہمارے ہاں با اقتدار اور معتمد ہوئے۔ اس نے کہا مجھے ملک کے ذرائع آمدنی پر مامور کیجیے، میں متدین بھی ہوں اور باخبر بھی۔ ۵۴-۵۵

اور اس طرح ہم نے یوسف کو ملک میں اقتدار بخشا وہ اس میں جہاں چاہے متمکن ہو۔ ہم اپنے فضل سے جس کو چاہتے ہیں نوازتے ہیں اور ہم خوب کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے اور آخرت کا اجر اس سے کہیں بڑھ کر ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور تقویٰ پر قائم رہے۔ ۵۶-۵۷

اور یوسفؑ کے بھائی آئے اور اس سے ملے۔ اس نے تو ان کو پہچان لیا پر وہ اس سے ناآشنا ہی رہے۔ اور جب اس نے ان کا سامان تیار کر دیا کہا کہ اب کے اپنے سوتیلے بھائی کو بھی میرے پاس لائیو۔ دیکھتے ہو نا کہ میں غلہ بھی پورے پیمانہ سے دیتا ہوں اور بہترین میزبانی کرنے والا بھی ہوں۔ اور اگر تم اس کو میرے پاس نہیں لاؤ گے تو نہ تمھارے لیے میرے پاس غلہ ہے اور نہ تم میرے پاس پھٹکنا۔ انھوں نے کہا ہم اس کے بارے میں اس کے باپ کو راضی کرنے کی کوشش کریں گے اور ہم یہ ضرور کریں گے۔ ۵۸-۶۱

اور اس نے اپنے نوجوانوں کو حکم دیا کہ ان کا دیا ہوا مال ان کے کجاووں ہی میں ڈال دو کہ جب وہ اپنے اہل و عیال میں پہنچیں اس کو پہچانیں تاکہ وہ پھر آئیں۔ تو جب وہ اپنے باپ کے پاس لوٹے انھوں نے کہا کہ ابا جان! ہم آگے کو غلہ سے محروم کر دیے گئے ہیں تو ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھی جانے دیجیے کہ ہم غلہ لائیں اور ہم اس کی حفاظت کا عہد کرتے ہیں۔ اس نے کہا کہ اس کے معاملے میں تم پر میرا اعتماد نہیں ہوگا مگر ویسا ہی جیسا کہ میں نے اس سے پہلے اس کے بھائی کے معاملے میں تم پر کیا۔ تو اللہ بہترین محافظ اور وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔ ۶۲-۶۴

اور جب انھوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ ان کی پونجی بھی ان کو لوٹا دی گئی ہے۔ بولے ابا جان! اب ہمیں کیا چاہیے، یہ ہماری پونجی بھی ہمیں لوٹا دی گئی ہے، اب ہم جائیں گے، اپنے اہل و عیال کے لیے رسد لائیں گے، اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے، ایک بارِ شتر غلہ زیادہ حاصل کریں گے! یہ غلہ تو تھوڑا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں اس کو تمھارے ساتھ ہرگز نہ بھیجوں گا جب تک تم مجھ سے خدا کے نام پر یہ عہد نہ کرو کہ تم اس کو میرے پاس ضرور واپس لاؤ گے الا آنکہ تم کہیں گھر ہی جاؤ۔ تو جب انھوں نے اس کو اپنا پکا قول دے دیا اس نے کہا جو قول و قرار ہم کر رہے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے۔ ۶۵-۶۶

اور اس نے ہدایت کی کہ اے میرے بیٹو، تم سب ایک ہی دروازے سے نہ داخل ہونا، الگ الگ مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔ اور میں اللہ کے مقابل میں تمھارے کچھ کام نہیں آسکتا اختیار تو بس اللہ ہی کا ہے۔ میرا بھروسا اسی پر ہے اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ اور جب وہ داخل ہوئے جہاں سے ان کے باپ نے ان کو ہدایت کی تھی تو وہ اللہ کے مقابل میں ان کے کچھ کام آنے والا نہ تھا۔ بس یعقوب کے دل میں ایک خیال تھا جو اس نے پورا کر لیا اور وہ بے شک اس علم سے بہرہ ور تھا جو ہم نے اس کو سکھایا تھا لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔ ۶۷-۶۸

اور جب یہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے اس نے اپنے بھائی کو خاص اپنے پاس جگہ دی، بتایا کہ میں تو تمھارا بھائی ہوں تو جو کچھ یہ کرتے رہے ہیں اس سے آزردہ خاطر نہ ہو جیو۔ پس جب ان کا سامان تیار کرا دیا کٹورا اپنے بھائی کے کجاوے میں رکھوا دیا۔ پھر ایک منادی نے آواز دی کہ اے قافلہ والو تم لوگ چور ہو۔ انھوں نے ان کی طرف مڑ کر پوچھا، تمھاری کیا چیز کھوئی گئی ہے؟ انھوں نے کہا ہم

شاہی پیمانہ نہیں پارہے ہیں۔ اور جو اس کو لائے گا اس کے لیے ایک بار شتر غلہ ہے اور میں اس کا ضامن ہوں۔
انھوں نے کہا: خدا کی قسم! آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہم اس ملک میں اس لیے نہیں آئے کہ فساد برپا
کریں اور ہم چوری کرنے والے لوگوں میں سے نہیں ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے تو
اس چوری کرنے والے کی کیا سزا ہے؟ وہ بولے اس کی سزا، جس کے کجاوے میں چیز ملے وہ اس کی
سزا میں دھر لیا جائے۔ ہم ایسے ظالموں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔ پس اپنے بھائی کے تھیلے سے
پہلے ان کے تھیلوں سے تفتیش کا آغاز کیا، پھر اس کو اپنے بھائی کے تھیلے سے برآمد کر لیا۔ اس طرح ہم
نے یوسف کے لیے تدبیر کی۔ وہ بادشاہ کے قانون کی رُو سے اپنے بھائی کو پکڑنے کا مجاز نہ تھا مگر
یہ کہ اللہ چاہے۔ ہم جس کو چاہتے ہیں درجے پر درجے بلند کرتے ہیں اور ہر علم والے سے بالاتر ایک
علم والا ہے۔ ۶۹-۷۶

انھوں نے کہا اگر یہ چوری کرے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس سے پہلے اس کا ایک بھائی
بھی چوری کر چکا ہے۔ یوسف نے اس بات کو اپنے دل ہی میں رکھا، اس کو ان پر ظاہر نہیں ہونے
دیا۔ دل میں کہا تم خود ہی بدقماش لوگ ہو۔ اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔
انھوں نے کہا، اے عزیز! اس کا ایک باپ ہے جو بہت بوڑھا ہے تو آپ اس کی جگہ ہم میں سے
کسی کو روک لیجیے۔ ہم آپ کو نہایت ہی محسن سمجھتے ہیں۔ اس نے کہا، اللہ پناہ میں رکھے اس بات
سے کہ ہم اس کے سوا کسی کو پکڑیں جس کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہے۔ اس صورت میں ہم نہایت
ظالم ٹھہریں گے۔ جب وہ اس سے مایوس ہو گئے تو آپس میں مشورہ کرنے الگ ہوئے۔ ان کے بڑے
نے کہا کیا تم کو علم نہیں کہ تمھارے باپ نے اللہ کے نام پر تم سے مضبوط قول و قرار لیا ہے اور اس سے
پہلے یوسف کے معاملے میں جو تقصیر تم سے سرزد ہو چکی ہے وہ بھی تمھارے علم میں ہے تو میں تو اس

سرزمین سے ٹلنے کا نہیں جب تک میرے باپ مجھے اجازت نہ دیں یا اللہ میرے لیے کوئی فیصلہ نہ فرمادے۔ اور وہی بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے۔ تم لوگ اپنے باپ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ اے ہمارے باپ! آپ کے بیٹے نے چوری کی اور ہم نے وہی بات کہی ہے جو ہمارے علم میں آئی، ہم غیب کے نگہبان نہیں ہیں۔ اور آپ اس بستی کے لوگوں سے بھی پوچھ لیجیے جس میں ہم رہے ہیں اور اس قافلے سے بھی پوچھ لیجیے جس میں ہم آئے ہیں اور ہم بالکل سچے ہیں۔ اس نے کہا بلکہ تمھارے دل نے یہ بات گھڑلی ہے تو صبر جمیل ہی اولیٰ ہے۔ امید ہے اللہ ان سب کو میرے پاس لائے گا، بے شک وہی علیم وحکیم ہے۔ ۸۳-۷۷

اور اس نے ان سے منہ پھیرا اور کہا ہائے یوسف! اور غم سے اس کی آنکھیں سفید پڑ گئیں اور وہ گھٹا گھٹا رہنے لگا۔ وہ بولے کہ بخدا آپ یوسف ہی کی یاد میں رہیں گے یہاں تک کہ از کار رفتہ ہو کے رہ جائیں گے یا ہلاک ہی ہو جائیں گے۔ اس نے کہا میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کا شکوہ اللہ ہی سے کرتا ہوں اور میں اللہ کی جانب سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کی ٹوہ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اللہ کی رحمت سے مایوس تو بس کافر ہی ہوتے ہیں۔ ۸۷-۸۴

تو جب وہ اس کے پاس پہنچے، انھوں نے اس سے کہا کہ اے عزیز! ہم اور ہمارے اہل وعیال بڑی تکلیف میں مبتلا ہیں اور ہم تھوڑی سی پونجی لے کر حاضر ہوئے ہیں تو آپ ہمیں غلہ بھی پورا دیجیے اور ہم کو صدقہ بھی عنایت فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو بدلہ عنایت فرماتا ہے۔ اس نے کہا۔ تمھیں کچھ پتہ ہے کہ تم جہالت میں مبتلا ہو کر یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کچھ کر گزرنے ہو! وہ بولے کہ کیا آپ واقعۃً یوسف ہی ہیں!! اس نے کہا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ

نے ہم پر اپنا فضل فرمایا۔ بے شک جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور ثابت قدم رہتے ہیں تو اللہ خوب کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ وہ بولے کہ خدا کی قسم اللہ نے آپ کو ہم پر برتری بخشی اور بے شک ہم ہی غلطی پر تھے۔ اس نے کہا اب تم پر کچھ الزام نہیں۔ اللہ تم کو معاف کرے۔ وہ ارحم الراحمین ہے۔ تم میرا یہ کرتا لے جاؤ، میرے باپ کے چہرے پر ڈال دیجیو وہ دیکھنے لگیں گے۔ اور تم لوگ اپنے تمام اہل و عیال کے ساتھ میرے پاس آجاؤ۔ ۸۸-۹۳

اور جب قافلہ چلا ان کے باپ نے کہا کہ اگر تم لوگ مجھے خبطی نہ قرار دو تو میں یوسف کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔ لوگ بولے کہ خدا کی قسم آپ ابھی تک اپنے پرانے خبط ہی میں مبتلا ہیں۔ پس جب یوں ہوا کہ خوش خبری دینے والا آیا اس نے کرتا اس کے چہرے پر ڈال دیا، اس کی بصارت عود کر آئی تو اس نے کہا، کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی جانب سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ انھوں نے درخواست کی کہ ہمارے باپ ہمارے گناہوں کی مغفرت کے لیے دعا کیجیے۔ بے شک ہم ہی قصوروار ہوئے۔ اس نے کہا میں جلد اپنے رب سے تمہارے لیے مغفرت کی دعا کروں گا، بے شک وہی بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ ۹۴-۹۸

پس جب وہ یوسف کے پاس پہنچے اس نے اپنے والدین کو خاص اپنے پاس جگہ دی اور کہا مصر میں انشاء اللہ امن وچین سے رہیے اور اس نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور سب اس کے لیے سجدہ میں گر پڑے اور اس نے کہا، اے میرے باپ! یہ ہے میرے پہلے کے خواب کی تعبیر، میرے رب نے اس کو سچ کر دکھایا اور اس نے بڑے ہی کرم کے ساتھ میری خبر گیری فرمائی جب کہ مجھے قید خانے سے نکالا اور آپ لوگوں کو دیہات سے لایا بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈلوا دیا تھا۔ بے شک میرا رب جو کچھ چاہتا ہے اس کے لیے نہایت باریک بین اور

دقیقہ رس ہے، بے شک وہی علیم و حکیم ہے۔ اے میرے رب تو نے مجھے اقتدار میں سے بھی حصہ بخشا اور باتوں کی تعبیر کے علم میں سے بھی سکھایا۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا اور آخرت دونوں میں میرا کارساز ہے، مجھے اسلام پر وفات دے اور نیکو کاروں کے زمرہ میں شامل کر۔ ۹۹-۱۰۱

۹- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي ۖ فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ (۵۴)

حضرت یوسفؑ کے ساتھ بادشاہ کی گرویدگی

بادشاہ اول تو حضرت یوسفؑ کا اسی بات سے گرویدہ ہو گیا کہ جس خواب کی تعبیر سے اس کے دربار کے تمام عقلاء و فضلاء قاصر رہے اس کی انھوں نے ایسی تعبیر بتا دی جو ہر شخص کے دل میں اتر گئی۔ پھر اس سے بڑھ کر اس کو متاثر کرنے والی بات یہ ہوئی کہ حضرت یوسفؑ نے خواب کی تعبیر کے ساتھ اس ہولناک قحط کے مقابلے کی تدبیر بھی بتا دی جس کے ظہور کی خواب نے خبر دی تھی۔

پھر ان دونوں باتوں سے بڑھ کر تیسری بات یہ ہوئی کہ جب بادشاہ نے ان کو جیل سے رہا کر کے اپنے پاس بلانا چاہا تو انھوں نے اس پیشکش کو قبول کرنے سے اس وقت تک کے لیے انکار کر دیا جب تک ان الزامات کی تحقیق نہ ہو جائے جن کو بہانہ بنا کر انھیں جیل میں ڈالا گیا تھا۔ اس تحقیق کا نتیجہ بھی، جیسا کہ اوپر کی آیات سے معلوم ہو چکا، حضرت یوسفؑ کے حق میں نہایت شاندار نکلا۔

ان تینوں میں سے کوئی ایک بات بھی بادشاہ کو حضرت یوسفؑ کا گرویدہ بنا دینے کے لیے کافی ہو سکتی تھی لیکن جس شخص کے باب میں یہ تینوں باتیں اکٹھی بادشاہ کے علم میں آئیں آخر وہ اس کا نادیدہ عاشق نہ ہو جاتا تو اور کیا کرتا چنانچہ اس نے فوراً حکم دیا کہ ان کو فوراً میرے پاس لایا جائے، میں ان کو اپنا معتمد خاص بناؤں گا۔ شخصی حکومتوں میں سارے اختیارات کا مرکز بادشاہ کی ذات ہوتی ہے اس وجہ سے اگر وہ کسی کو اپنا معتمد خاص بنا لے اور وہ بھی اس عقیدت اور گرویدگی کے ساتھ جو بادشاہ کے دل میں حضرت یوسفؑ کے لیے پیدا ہو گئی تھی، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ گویا بادشاہ نے زمام اختیار و اقتدار حضرت یوسفؑ کے حوالے کر دینے کے ارادے کا اعلان ان کی رہائی کے اعلان کے ساتھ ہی کر دیا۔

حضرت یوسفؑ کے لیے منصب کی پیشکش

فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ۔ اب تک بادشاہ اور حضرت یوسفؑ کے

درمیان دوسرے لوگ واسطہ تھے۔ اس کو براہ راست حضرت سے ملنے اور گفتگو کرنے کا کوئی موقع نہیں ملا تھا۔ اب ملاقات ہوئی تو اس نے ان سے گفتگو بھی کی۔ قرآن نے اگرچہ اس گفتگو کا حوالہ اجمالاً ہی دیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ گفتگو تفصیل سے ہوئی ہوگی۔ دینی اور اخلاقی مسائل بھی زیر بحث آئے ہوں گے اور ملک کے انتظامی اور معاشی مسائل پر بھی حضرت یوسف نے اپنی رائے پیش کی ہوگی۔ آدمی کی شخصیت کا صحیح اندازہ ملاقات اور گفتگو ہی سے ہوتا ہے۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ اس ملاقات اور گفتگو نے بادشاہ کو حضرت یوسفؑ کا مزید گرویدہ بنا دیا اور اس نے ان سے کہہ دیا کہ اب آپ ہماری حکومت میں ایک با اقتدار معتمد ہیں۔ گویا بادشاہ نے ان کے سامنے اپنی حکومت میں بڑے سے بڑے منصب کی پیشکش کر دی اور اس امر کو حضرت یوسفؑ کی صواب دید پر چھوڑا کہ وہ اس پیشکش کو کس صورت میں قبول فرماتے ہیں۔

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ (۵۵)

حضرت یوسفؑ کی تجویز

'الْاَرْض' سے مراد یہاں سرزمین مصر اور 'خزائن' سے مراد ملک کے ذرائع پیداوار ہیں۔ چونکہ اس وقت سب سے بڑی مہم ملک کو پیش آنے والے قحط میں سنبھالنے کی تھی اس وجہ سے حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ ملک کے تمام ذرائع پیداوار کا اہتمام و انصرام میرے سپرد کر دیجیے، میں پوری احتیاط سے ہر چیز کی حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور اس ذمہ داری کو سنبھالنے کے لیے علم بھی رکھتا ہوں۔ یہ واضح رہے کہ حضرت یوسفؑ کی طرف سے کوئی درخواست نہیں تھی بلکہ خود بادشاہ کی پیشکش قبول کرنے اور اس کو بروئے کار لانے کے لیے ان کو جو شکل مناسب معلوم ہوئی وہ انھوں نے اس کے سامنے رکھ دی اور ساتھ ہی یہ بات بھی ظاہر فرما دی کہ اس ذمہ داری کو سنبھالنے کے لیے جس دیانت اور علم کی ضرورت ہے وہ میں اپنے اندر پاتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ اس وجہ سے توقع رکھتا ہوں کہ اس کام کو بحسن و خوبی انجام دے سکوں گا۔ حضرت یوسفؑ کی یہ تجویز عین بادشاہ کی آرزو کے مطابق تھی اس وجہ سے وہ مطمئن ہو گیا اور اس طرح مصر کی سلطنت گویا حضرت یوسفؑ کے انگوٹھے کے نیچے آگئی۔ تورات میں ہے کہ "پھر فرعون نے یوسفؑ سے کہا کہ دیکھ میں نے تجھے ساری زمین مصر پر حکومت بخشی اور فرعون نے اپنی انگشتری اپنے ہاتھ سے نکال کر یوسفؑ کے ہاتھ میں پہنا دی۔ تب اس کے آگے منادی کی گئی، سب ادب سے رہو اور اس نے اسے مصر کی ساری مملکت پر حاکم کیا اور یوسفؑ کو کہا، میں فرعون ہوں اور تیرے حکم کے بغیر مصر کی ساری زمین میں کوئی انسان اپنا ہاتھ یا پاؤں نہ اٹھائے گا۔" (پیدائش ۴۱-۴۴)

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۚ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ (۵۶-۵۷)

حضرت یوسفؑ کا کامل اقتدار

اس طرح حضرت یوسفؑ کو پورے ملک مصر میں عملاً وہ تمام اختیار و اقتدار حاصل ہو گیا جو بادشاہ کو حاصل تھا۔ نام تو بادشاہ کا ضرور باقی رہا لیکن اپنے اختیارات اس نے سارے حضرت یوسفؑ کو تفویض کر دیے۔ 'يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ' یعنی وہ جہاں چاہیں فروکش ہوں، جس حصۂ ملک کا چاہیں دورہ کریں، جہاں جو نظم و نسق ضروری سمجھیں

اس کے لیے احکام صادر فرمائیں۔ حکومت کے عمال کا فرض تھا کہ بے چون وچرا ان کے احکام کی تعمیل کریں۔

اللہ کا معاملہ خوب کاروں کے ساتھ

نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَاءُ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ میں دو حقیقتیں واضح فرمائی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ تمام اختیار واقتدار خدا ہی کو حاصل ہے۔ وہ اگر کسی کو اپنے فضل ورحمت سے نوازنا چاہے تو کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ وہ جب چاہے ایک قیدی کو زنداں سے نکالے اور اس کو ملک کے تختِ حکومت پر لا بٹھائے۔ یہ اس کی قدرت ومشیت کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ دوسری یہ کہ وہ محسنین، یعنی خوب کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ ان کو آزمائشیں ضرور پیش آتی ہیں، اگر وہ ان آزمائشوں میں خدا کی راہ پر استوار اور ثابت قدم رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اس دنیا میں بھی اس کا صلہ دیتا ہے اور آخرت میں بھی وہ اس کا صلہ پائیں گے وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ۔ یعنی آخرت کا اجر اس دنیا کے اجر سے کہیں بڑھ کر ہے جو اللہ نے ان لوگوں کے لیے مخصوص کر رکھا ہے جو ایمان پر ثابت قدم اور خدا کے حدود وقیود کی خلاف ورزی سے بچتے رہیں۔

وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ (۵۸)

برادرانِ یوسف کی حاضری

حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کا یہ آنا، جیسا کہ آگے کی آیت میں وضاحت ہے، غلہ لینے کی غرض سے تھا۔ یعنی یہ سات سال بعد اس زمانے کی بات ہے جب مصر اور اس سے ملحقہ ممالک فلسطین وشام وغیرہ سب قحط کے لپیٹ میں آچکے ہیں۔ یہ قحط تو مصر میں بھی تھا لیکن حضرت یوسفؑ کی پیش بندی اور ان کے حسنِ انتظام کی بدولت مصر نہ صرف اپنی ضروریات پوری کرنے میں کامیاب رہا بلکہ وہاں پاس پڑوس کے ملکوں سے آنے والے ضرورت مندوں کو بھی ایک معین مقدار میں سرکاری ڈپو سے غلہ خریدنے کی اجازت تھی۔ چنانچہ غلہ ہی حاصل کرنے کی غرض سے حضرت یوسفؑ کے بھائی مصر آئے اور معلوم ہوتا ہے کہ بیرونی ہونے کی وجہ سے انھیں خاص اجازت نامہ حاصل کرنے کے لیے حضرت یوسفؑ کے سامنے بھی حاضر ہونا پڑا۔ اس حاضری کے وقت حضرت یوسفؑ نے تو ان کو پہچان لیا لیکن یہ لوگ ان کو نہ پہچان سکے۔ نہ پہچان سکنے کی وجہ ظاہر ہے کہ اول تو انھوں نے جس وقت انھیں کنوئیں میں پھینکا تھا اس پر کم وبیش بیس اکیس سال کا زمانہ گزر چکا تھا، اتنے طویل عرصے میں آدمی کی شکل وصورت بہت کچھ تبدیل ہو جاتی ہے۔ پھر بالفرض چہرے بشرے میں انھوں نے کچھ جھلک محسوس بھی کی ہو، جیسا کہ آگے آیت ۹۰ سے اشارہ نکلتا ہے تو آخر وہ یہ گمان کس طرح کر سکتے تھے کہ جس بھائی کو انھوں نے اندھے کنوئیں میں ڈالا تھا وہ آج مصر کے تختِ حکومت پر متمکن ہے۔

وَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ ۚ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ، فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِندِي وَلَا تَقْرَبُونِ (۵۹-۶۰)

بھائیوں کو حضرت یوسفؑ کی ہدایت

ان کا سامان ٹھیک ٹھاک کرا دینے کے بعد حضرت یوسفؑ نے ان کو ہدایت فرمائی اب کے غلہ لینے آئیو تو اپنے سوتیلے بھائی کو بھی ساتھ لائیو۔ معلوم ہوتا ہے کہ راشننگ سسٹم نافذ ہونے کے سبب سے ہر ضرورت مند کو

غلہ جب اب افرادِ خاندان ملتا تھا اس وجہ سے انھیں یہ بتانا پڑا ہوگا کہ ہمارا ایک سوتیلا بھائی بھی گھر پر ہے۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ اب کے آنا تو اس کو بھی ساتھ لانا۔ اس کے لیے انھیں ترغیب بھی دی اور ساتھ ہی دھمکی بھی۔ ترغیب یہ کہ دیکھو میں ہر فرد کے حصہ کا غلہ پورا پورا دیتا ہوں 'کیل' کے معنی تو پیمانہ کے ہیں لیکن جس طرح ظرف بول کر کبھی مظروف مراد لیتے ہیں اسی طرح اس سے یہاں مراد غلہ ہے۔ مطلب یہ کہ اپنے بھائی کو لاؤ گے تو اس کے حصّہ کا غلہ بھی پورا پورا پاؤ گے اور یہ تجربہ تو تم کر ہی چکے ہو کہ میں آنے والوں کی نہایت بہتر طریقہ پر میزبانی کرتا ہوں۔ دھمکی یہ دی کہ اگر تم اپنے بھائی کو نہ لائے تو تمھارے لیے میرے پاس غلہ ہے اور نہ تم میرے پاس پھٹکنا۔

قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ (۶۱)

بھائیوں کا جواب

'مُراودت' کے معنی بہلانے پھسلانے کے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اس کے بارے میں ہم اس کے باپ کو راضی کرنے کی کوشش کریں گے اور جہاں تک اپنی کوشش کا تعلق ہے اس میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے ـــــ ان کے اس جملے کے اندر یہ بات مضمر ہے کہ اگر ہم اس کو لانے میں کامیاب نہ ہو سکے تو اس میں ہمارا قصور نہ ہوگا، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے باپ نے اس کو اجازت نہ دی اور یہ چیز ایسی ہے جس میں ہماری مجبوری واضح ہے۔ حضرت یوسفؑ کے ساتھ جو کچھ وہ کر چکے تھے اس کے سبب سے ان کے دل میں ایک چور تھا جو ان کے اس فقرے میں نمایاں ہے۔

وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (۶۲)

مزید احسان

حضرت یوسفؑ نے اس خیال سے کہ مالی مشکلات ان کے دوبارہ آنے میں مانع نہ ہوں یہ کیا کہ اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ جو نقدی انھوں نے غلہ کی قیمت کے طور پر ادا کی ہے وہ ان کے سامان میں ڈال دی جائے تاکہ جب وہ گھر پر جا کر اپنا سامان کھولیں تو وہ یہ محسوس کریں کہ یہ ان پر احسان کیا گیا ہے اور خوشی خوشی، حوصلہ کے ساتھ، دوبارہ غلہ لینے آئیں۔

فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (۶۳-۶۴)

بیٹوں کی گزارش باپ سے اور باپ کا جواب

جب یہ لوگ گھر پہنچے تو باپ کو ساری روداد سنائی کہ آگے کو ہم غلہ سے محروم کر دیے گئے ہیں۔ اب غلہ حاصل کرنے کی ایک ہی راہ ہے کہ ہم اپنے ساتھ اپنے بھائی بن یامین کو بھی لے جائیں اور اپنے آپ کو سچا ثابت کریں کہ ہمارا ایک گیارہواں بھائی بھی ہے تو آپ اس مرتبہ بن یامین کو ہمارے ساتھ جانے دیجیے تاکہ ہم سب کے حصہ کا غلہ لے سکیں اور ہم آپ کو یہ اطمینان دلاتے ہیں کہ ہم اس کی پوری حفاظت کریں گے۔ حضرت یعقوبؑ نے فرمایا کہ بن یامین کے معاملے میں اگر میں تم پر اعتماد کروں تو یہ اعتماد ویسا ہی ہوگا جیسا کہ میں اس سے پہلے یوسفؑ کے بارے میں تم پر کر چکا ہوں تو اللہ ہی بہترین محافظ اور ارحم الراحمین ہے۔ حضرت یعقوبؑ کے آخری الفاظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ جہاں تک تمھارے

اعتماد کا تعلق ہے اس کا تجربہ تو مجھے ہو چکا ہے البتہ اگر بن یامین کو تمھارے ساتھ بھیجنا ہی پڑا تو میں یہ کام اللہ کی حفاظت و رحمت کے بھروسہ پر کروں گا، تمھارے اعتماد پر نہیں کروں گا۔

وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ ۖ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي ۖ هَٰذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا ۖ وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ۖ ذَٰلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ (۶۵)

بیٹوں کی مسرت

جب ان لوگوں نے اپنا سامان کھولا اور یہ دیکھا کہ جو رقم انھوں نے غلہ کی قیمت کے طور پر ادا کی تھی وہ پوری کی پوری ان کی غلہ کی بوریوں میں موجود ہے تو وہ خوشی سے اچھل پڑے۔ بولے کہ ابا جان! اب کیا چاہیے، یہ دیکھیے کہ ہماری رقم بھی ہم کو لوٹا دی گئی ہے، اب ہم جائیں گے، اپنے اہل و عیال کے لیے غلہ لائیں گے، اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے، ایک بار شتر غلہ ہم مزید حاصل کریں گے، یہ غلہ جو ہم لائے یہ تو تھوڑا ہے۔

قرآن کی بلاغت کے قربان جائیے کہ اس نے ان کی بات اس طرح نقل کی ہے کہ ان کی خوشی ان کے فقرے فقرے سے ابلی پڑتی ہے۔

'وَنَمِيرُ أَهْلَنَا' کا معطوف علیہ یہاں قرینہ کی وضاحت کے سبب سے محذوف ہے ہم نے ترجمہ میں اس کو کھول دیا ہے۔ مَارَ، یَمِیرُ، میراً کے معنی اپنے اہل و عیال کے لیے غلہ اور ضرورت کی چیزیں فراہم کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اب رقم واپس مل جانے کے بعد ہماری راہ میں کیا رکاوٹ باقی رہی، اب تو ہم ضرور ہی جائیں گے اور اپنے اہل و عیال کے لیے غلہ لائیں گے۔

'كَيْلَ بَعِيرٍ' سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت یوسفؑ نے جو راشننگ سسٹم جاری کیا تھا اس میں بیرونی ضرورت مندوں کو ایک بار شتر غلہ حاصل کرنے کی اجازت تھی۔

قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّىٰ تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلَّا أَن يُحَاطَ بِكُمْ ۖ فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ (۶۶)

حضرت یعقوبؑ کی مشروط اجازت

حضرت یعقوبؑ نے فرمایا کہ میں بن یامین کو صرف اس صورت میں تمھارے ساتھ جانے کی اجازت دوں گا جب تم اللہ کے نام پر مجھ سے یہ مضبوط عہد کرو کہ اس کو تم ضرور واپس لاؤ گے الا آنکہ تم خود ہی کسی آفت میں گھر جاؤ۔ تو جب انھوں نے قسم کھا کے ان سے عہد کیا تو حضرت یعقوبؑ نے فرمایا کہ ہم جو قول و قرار کر رہے ہیں اس پر اللہ ضامن اور گواہ ہے۔

وَقَالَ يَا بَنِيَّ لَا تَدْخُلُوا مِن بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۖ وَمَا أُغْنِي عَنكُم مِّنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ ۖ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ (۶۷)

'مَا أُغْنِي عَنكُمْ' یعنی میں تمھارے کچھ کام نہیں آسکتا، تمھیں کچھ نفع نہیں پہنچا سکتا۔

ایک مصلحت آمیز ہدایت

چونکہ قحط کا زمانہ تھا جس میں چوری، ڈکیتی اور اس نوع کے دوسرے جرائم کے امکانات بہت بڑھ جاتے ہیں اس وجہ سے حضرت یعقوبؑ نے ان کو رخصت کرتے وقت یہ ہدایت فرمائی کہ شہر میں جب داخل ہونا تو ایک ہی

دروازے سے نہ داخل ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ قدیم زمانے میں بیرونی حملوں سے حفاظت کے لیے ہر قابلِ ذکر شہر کے گرداگرد فصیل اور ہر سمت سے داخل ہونے کے لیے معین دروازے ہوتے تھے۔ حضرت یعقوبؑ نے یہ ہدایت ممکن ہے اس اندیشے سے فرمائی ہو کہ کہیں یہ لوگ شہر کے شریروں اور گنڈوں کی توجہ کا ہدف نہ بن جائیں۔ ایک ہی وقت میں ایک ہی دروازے سے گیارہ ذی وجاہت، خوش شکل اور باوقار بھائیوں کا اپنے قافلہ سمیت شہر میں داخل ہونا ایک جالبِ توجہ چیز ہو سکتی تھی اور اس کا بھی امکان تھا کہ کچھ شریر لوگ ان کے پیچھے لگ جائیں کہ ان کے پاس مال زیادہ ہوگا اور اسی طمع میں وہ ان کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو جائیں۔

اس ہدایت کے ساتھ ساتھ انھوں نے یہ تنبیہ فرما دی کہ یہ ایک تدبیر ہے جس کو اپنی دانست میں بہتر سمجھ کر میں تمھیں اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ اس تدبیر کو ہرگز ہرگز اس معنی میں نہ لینا کہ یہ تمھیں اس تقدیر سے بچا سکے گی جو خدا نے تمھارے لیے لکھ رکھی ہے۔ وہ اپنی جگہ پر اٹل ہے۔ اصلی اختیار خدا ہی کا ہے۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا ہے اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ۭ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ۭ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۶۸)

تقدیر اور تدبیر کا باہمی تعلق

اب یہ تدبیر اور تقدیر کے باہمی تعلق کو واضح فرما دیا گیا کہ بیٹوں نے شہر میں داخل ہونے کے باب میں باپ کے مشورے پر جو عمل کیا تو یہ محض حالاتِ وقت کے پیشِ نظر ایک تدبیر تھی جس کی ضرورت کا احساس باپ کے دل میں پیدا ہوا اور اس نے انھیں اس کے اختیار کرنے کی ہدایت کر دی جو ان کے لیے مفید و بابرکت ثابت ہوئی۔ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ اگر ان کی تقدیر میں کوئی آفت آنی لکھی ہوئی ہوتی تو اس تدبیر سے وہ اس سے بھی بچ جاتے۔ تقدیر بہرحال اٹل ہے جس کو کسی کی تدبیر نہیں بدل سکتی لیکن اس کے باوجود انسان کا فرض ہے کہ وہ حالات و مصالح کے مطابق تدابیر اختیار کرے۔ اسی میں اس کے ارادے اور سعی و عمل کا امتحان ہے اور اسی پر آخرت میں اس کے درجے اور مرتبے کا انحصار۔ اس وجہ سے کسی کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ تقدیر کے نام پر اپنے ہاتھ پاؤں توڑ کے بیٹھ رہے۔ بلکہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے حدود کے اندر تدابیر اختیار کرے، ان کو بروئے کار لانے کے لیے اپنے امکان بھر جدوجہد کرے اور ساتھ ہی یہ یقین رکھے کہ ہوگا وہی جو اللہ کی مشیت میں ہے۔ اللہ کے فیصلہ کو کوئی بدل نہیں سکتا۔

'وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ ..... الاٰیۃ'، یہ حضرت یعقوبؑ کی تعریف و تحسین ہے کہ وہ تدبیر و تقدیر کے معاملے میں اس علم سے بہرہ مند تھے جو اللہ نے ان کو سکھایا تھا لیکن اکثر لوگ ان کی حقیقت سے بے خبر ہوتے ہیں۔ وہ یا تو تدبیر ہی کو سب کچھ سمجھ لیتے ہیں، تقدیر ان کے ہاں ایک واہمہ ہے، یا پھر تقدیر و توکل کے نام پر وہ بالکل اپاہج بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰي يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّىْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۶۹)

بھائی پر افشائے راز

جب یہ لوگ حضرت یوسفؑ کے پاس پہنچے انھوں نے اپنے بھائی بنیامین کو تنہائی میں اپنے پاس بلا کر ان کو آگاہ کر دیا کہ میں تمھارا بھائی یوسف ہوں تو اب تک انھوں نے جو کچھ کیا ہے اس سے دل شکستہ اور آزردہ خاطر نہ ہونا۔ اب یہ دور گزر چکا۔ قرینہ دلیل ہے کہ اس موقع پر حضرت یوسفؑ نے بھائی کو اپنی اس تدبیر سے بھی آگاہ فرما دیا ہوگا جو وہ ان کو اپنے پاس روکنے کے لیے اختیار فرمانے والے ہیں تاکہ آگے جو حالات پیش آنے والے ہیں ان میں وہ مطمئن رہیں۔

فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ۝ قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِم مَّاذَا تَفْقِدُونَ ۝ قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَن جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ۝ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُم مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ ۝ قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ إِن كُنتُمْ كَاذِبِينَ ۝ قَالُوا جَزَاؤُهُ مَن وُجِدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۝ فَبَدَأَ بِأَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِن وِعَاءِ أَخِيهِ ۚ كَذَٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ ۖ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ ۗ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ۝ (۷۰-۷۶)

بھائی کو روکنے کے لیے حضرت یوسفؑ کی تدبیر

جب ان کا سارا سامان ٹھیک ٹھاک کرا دیا تو پانی پینے کا کٹورا، جو غلہ ناپنے کے لیے شاہی پیمانے کے طور پر استعمال ہوتا تھا، وہ حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائی کے کجاوے میں رکھوا دیا۔ پھر ایک منادی نے پکارا کہ اے قافلے والو تم چور ہو۔ وہ جھپٹ کے ان کی طرف مڑے اور پوچھا کہ آپ لوگوں کی کیا چیز کھوئی گئی ہے؟ انھوں نے بتایا کہ شاہی پیمانہ کھویا گیا ہے تو جو اس کو لائے گا اس کو ایک بارِ شتر غلہ انعام ملے گا اور میں اس کا ضامن ہوں۔ انھوں نے قسم کھا کر جواب دیا کہ آپ لوگوں کو اچھی طرح علم ہے کہ ہم اس ملک میں فساد برپا کرنے نہیں آئے اور ہم چوری کرنے والے لوگ نہیں ہیں۔ انھوں نے پوچھا کہ اگر تم لوگ جھوٹے ثابت ہوئے تو اس کی کیا سزا ہے؟ انھوں نے کہا کہ جس کے سامان میں کٹورا ملے وہی اس کے بدلے میں روک لیا جائے۔ ہم ایسے ظالموں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت یوسفؑ نے ان کے سامان کی تلاشی لی اور تلاشی کا آغاز اپنے بھائی کے تھیلے سے پہلے ان کے تھیلوں سے کیا اور آخر میں اپنے بھائی کے تھیلے سے پیمانہ کو برآمد کر لیا۔ حضرت یوسفؑ کی اس تدبیر کی بابت اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے کہ یہ تدبیر یوسفؑ کے لیے ہم نے کی۔ بادشاہ کے قانون کی رو سے وہ اپنے بھائی کو روکنے کے مجاز نہ تھے الا آنکہ اللہ چاہے۔ فرمایا کہ ہم ہی جس کے چاہیں درجے پر درجے بلند کرتے ہیں اور ہر صاحب علم سے بڑھ کر ایک علم والا ہے۔

حضرت یوسفؑ کے طرزِ عمل پر شبہات کا ازالہ

مذکورہ بالا آیات کا یہ خلاصۂ مطلب ہے جو ہم نے اپنے الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ اب ہم ایک ترتیب کے ساتھ چند اصولی باتیں عرض کریں گے تاکہ حضرت یوسفؑ کے اس طرزِ عمل سے متعلق جو شبہات ذہن میں پیدا ہوتے ہیں وہ صاف ہو جائیں۔

۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ ابھی اس مرحلے میں اپنے آپ کو اپنے بھائیوں پر ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ ان کو اچھی طرح ٹٹول کر یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ اتنا بڑا ظلم کر گزرنے کے بعد، جو انھوں نے ان کے ساتھ کیا، ان کے باطن میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے یا ابھی ان کے سوچنے کا انداز وہی ہے جو پہلے تھا۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ اپنے بھائی بنیامین کو پا جانے کے بعد اب کسی قیمت پر یہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہ تھے کہ اس کو ان ظالم لوگوں کے حوالہ کریں۔ انھوں نے خیال فرمایا ہوگا کہ لانے کو تو وہ اس طمع میں اس کو لائے کہ ان کو معلوم تھا کہ اس کے بغیر ان کو غلہ ملنے کا کوئی امکان نہیں ہے لیکن اب واپسی میں ایسے لوگوں سے کیا بعید ہے کہ اس طرح کا کوئی اقدام اس کے ساتھ بھی کر گزریں جس طرح کا اقدام وہ خود ان کے ساتھ کر چکے ہیں۔ آخر حسد کا وہ جذبہ جو ان کے پہلے اقدام کا محرک ہوا وہ تو اس بھائی کے معاملے میں بھی موجود ہے۔

۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ ان کو بہر حال ملک کے قانون کا رکھ رکھاؤ بھی مدنظر تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ بادشاہ کی غیر معمولی عقیدت کی وجہ سے حضرت یوسفؑ کو، جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے، ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے، لیکن ان کے شایان شان بات یہی تھی کہ وہ جو قدم بھی اٹھائیں وہ قانون ملک کے مطابق ہو۔ بالخصوص جب کہ وہ قانون مبنی بر عدل بھی ہو۔

۴۔ چوتھی بات یہ کہ ان گوناگوں حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اگر کوئی طریقہ کارگر ہو سکتا تھا تو توریہ کا طریقہ ہی ہو سکتا تھا۔ توریہ اگر کسی باطل مقصد کے لیے ہو اور اس میں جھوٹ کی بھی ملاوٹ ہو تو وہ توریہ بلاشبہ حرام ہے لیکن اگر یہ کسی مقصد حق کے لیے ہو اور اس میں جھوٹ اور فریب کی آمیزش نہ ہو تو اس توریہ میں نہ صرف یہ کہ کوئی خرابی نہیں ہے بلکہ بسا اوقات اس کا اختیار کرنا، بالخصوص دشمن کے مقابل میں، مصلحت حق کی خاطر ضروری ہو جاتا ہے۔ اس کی بعض نہایت لطیف اور پاکیزہ مثالیں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی ملتی ہیں۔ اس قسم کے توریہ میں جو بات کہی یا کی جاتی ہے وہ بجائے خود سچی اور صحیح ہوتی ہے لیکن اس کے کہنے یا کرنے کا انداز ایسا ہوتا ہے کہ مخاطب اس سے مغالطہ میں پڑ جاتا ہے۔

۵۔ حضرت یوسفؑ نے بھائی کے تھیلے میں پیمانہ رکھ کر یا رکھوا کر ایک منادی سے یہ اعلان جو کرایا کہ اے قافلہ والو تم چور ہو، تو منادی نے یہ اعلان حضرت یوسفؑ کے حکم کی تعمیل میں کیا اور حضرت یوسف نے یہ اعلان کراتے ہوئے جو بات پیش نظر رکھی وہ یہ نہیں تھی کہ اہل قافلہ نے شاہی پیمانہ چرایا ہے بلکہ انھوں نے خود اپنے واقعہ کو مدنظر رکھا کہ ان کو سیر و تفریح کے بہانے گھر سے لائے اور ایک کنوئیں میں پھینک کر شام کو جب گھر واپس ہوئے تو بوڑھے باپ کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا۔ چنانچہ دیکھ لیجیے کہ منادی کے الفاظ یہ نہیں ہیں کہ اے قافلہ والو تم نے شاہی پیمانہ چرایا

ہے، بلکہ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ 'اے قافلہ والو تم چور ہو' ظاہر ہے کہ یہ بات بجائے خود بالکل صحیح تھی البتہ اس سے اس موقع پر یہ مغالطہ ضرور پیدا ہو سکتا تھا کہ کسی خاص چیز کی چوری کو اس اعلان کی وجہ قرار دے لیں۔

۶۔ اس اعلان کے ساتھ ہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ کے سارے عملہ میں یہ بات پھیل گئی کہ شاہی پیمانہ گم ہے۔ یہ شاہی پیمانہ چونکہ پہلے پانی پینے کا شاہی کٹورا تھا اس وجہ سے لازماً قیمتی رہا ہوگا اس وجہ سے اس کا چرایا جانا بعید از قیاس نہیں سمجھا جاسکتا تھا۔ ہو سکتا ہے کسی پہلو سے خود حضرت یوسفؑ نے اس موقع پر شاہی پیمانے کا ذکر چھیڑا ہو اور ان کے عملہ نے از خود رائے قائم کرلی ہو کہ قافلہ والوں پر جس چوری کا الزام ہے وہ شاہی پیمانہ ہی کی چوری ہے۔

۷۔ جب اہل قافلہ نے مڑ کر حضرت یوسفؑ کے آدمیوں سے پوچھا کہ آپ لوگوں کی کیا چیز کھوئی گئی ہے تو انھوں نے اپنے علم کے مطابق یہ جواب دیا کہ ہمارا شاہی پیمانہ کھو یا گیا ہے اور ساتھ ہی ان میں سے ایک نے یہ بھی کہا کہ جو شخص پیمانہ لائے گا اس کو ایک بار شتر غلہ انعام ملے گا اور میں اس کا ضامن بنتا ہوں، یہ آخری بات ظاہر ہے کہ حضرت یوسفؑ کے ایما پر کہی گئی ہوگی اور اغلب ہے یہ بات اسی آدمی نے کہی ہو جس نے یہ منادی کی تھی کہ اے قافلہ والو تم چور ہو۔

۸۔ قافلہ والوں نے پہلے تو قسم کھا کے اپنی صفائی پیش کی کہ ہم اس ملک میں فساد برپا کرنے نہیں آئے تھے اور نہ ہم چوری کرنے والے لوگ ہیں، پھر جب ان سے یہ سوال ہوا کہ اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے تو چور کی کیا سزا ؟ انھوں نے تھوڑے سے تردد کے ساتھ یہ جواب دیا کہ جس کے کجاوے سے چیز نکلے وہی اس کے بدلہ میں پکڑا جائے۔ ہم ایسے ظالموں کے ساتھ یہی معاملہ کرتے ہیں۔

۹۔ اس کے بعد حضرت یوسفؑ نے خود تلاشی لی اور تلاشی کا آغاز بن یامین کے بجائے دوسروں سے کیا تاکہ ان کو کوئی شبہ نہ ہو اور آخر میں بنیامین کے تھیلے سے شاہی پیمانہ برآمد کر لیا۔ اس طرح گویا اپنے بھائی کو روک لینے کے وہ ملک کے قانون کی رو سے بھی مجاز ہو گئے اور اپنے بھائیوں کے اقرار کی رو سے بھی۔

۱۰۔ اس تدبیر کو اللہ تعالیٰ نے 'کید' سے تعبیر اور اس 'کید' کو خود اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ 'کید' مخفی تدبیر کو کہتے ہیں۔ یہ مخفی تدبیر اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کو سجھائی جس کی بدولت وہ اس قابل ہوئے کہ اپنے بھائی کو بھی خطرے سے بچا سکیں اور ملک کے قانون کا احترام بھی باقی رہے۔

اس پوری تفصیل پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اس ساری کارروائی میں نہ حضرت یوسفؑ کسی جھوٹ میں ملوث ہوئے ہیں نہ ان کے آدمی۔ البتہ وقتی طور پر بن یامین پر ایک الزام کا دھبہ لگا لیکن اول تو وہ اس سے، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے، پہلے سے آگاہ کر دیے گئے تھے ثانیاً یہ جو کچھ کیا گیا انہی کو سوتیلے بھائیوں کے ظلم و ستم سے بچانے کے لیے کیا گیا۔

آخر میں نَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنۡ نَّشَآءُ وَفَوۡقَ كُلِّ ذِیۡ عِلۡمٍ عَلِیۡمٌ میں حضرت یوسفؑ کے مراتب بلندی کی طرف اشارہ بھی ہے اور ان لوگوں پر ایک تعریض بھی جو اپنے علم کو آخری چیز سمجھ بیٹھتے ہیں۔ ان کو دنیا جتنی نظر آتی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ بس یہ کائنات کل اتنی ہی ہے اور اپنے اس نشہ میں ان بہت سی حقیقتوں کا مذاق اڑاتے ہیں جو ان کے محدود علم سے باہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں بتایا کہ کسی کو بھی اپنے اندازوں اور قیاسوں پر مغرور نہیں ہونا چاہیے، سب علم والوں سے بڑھ کر بھی ایک علم والا ہے اور اسی کا علم حقیقی ہے۔ اس میں قریش کو، جن کو یہ سرگزشت سنائی گئی ہے، ایک لطیف تنبیہ بھی ہے کہ آج وہ خدا کے رسول کو جن حالات میں دیکھ رہے ہیں ان سے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں، حالات کا حقیقی علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ وہ جانتا ہے کہ مستقبل کے پردوں میں کیا چھپا ہوا ہے، موجودہ تاریکیوں کے اندر سے کس طرح روشنی برآمد ہوگی اور اسلام اور پیغمبر اسلام کے لیے کس طرح راہیں ہموار ہوں گی۔

قَالُوۡۤا اِنۡ يَّسۡرِقۡ فَقَدۡ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنۡ قَبۡلُ‌ۚ فَاَسَرَّهَا يُوۡسُفُ فِىۡ نَفۡسِهٖ وَلَمۡ يُبۡدِهَا لَهُمۡ‌ۚ قَالَ اَنۡتُمۡ شَرٌّ مَّكَانًا‌ ۚ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا تَصِفُوۡنَ (۷۷)

بھائیوں کی ایک اور شرارت

جب برادران یوسفؑ نے دیکھا کہ وہ پکڑے گئے تو جھٹ اپنی شرمندگی مٹانے کے لیے حضرت یوسفؑ پر ایک تہمت جڑ دی۔ بولے کہ اگر اس نے چوری کی تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہوئی۔ اس سے پہلے اس کا ایک بھائی بھی چوری کر چکا ہے۔ اس طرح انھوں نے گویا یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ یہ ہمارا حقیقی بھائی نہیں بلکہ سوتیلا بھائی ہے اور چوری کی یہ خصلت یہ اپنی ماں کی طرف سے لایا ہے۔ حضرت یوسفؑ نے جب ان کی یہ بات سنی تو ان پر اس کا جو قدرتی اثر پڑنا تھا وہ تو پڑا لیکن وہ اس کو پی گئے اس لیے کہ اس مرحلہ میں ابھی وہ اس کا اظہار نہیں کرنا چاہتے تھے بس دل میں یہ کہہ کے رہ گئے کہ تم بہت ہی برے لوگ ہو اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

قَالُوۡا يٰۤاَيُّهَا الۡعَزِيۡزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيۡخًا كَبِيۡرًا فَخُذۡ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ‌ۚ اِنَّا نَرٰٮكَ مِنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ (۷۸)

حضرت یوسفؑ کی خوشامد

جب انھوں نے دیکھا کہ بازی ہاری گئی تو فوراً خوشامد پر اتر آئے اور حضرت یوسفؑ کو خاص سرکاری خطاب 'عزیز' سے، جو مصر کے اعلیٰ سرکاری عہدہ داروں کے لیے مخصوص تھا، مخاطب کر کے نہایت لجاجت سے عرض کی کہ حضور! اس کا باپ بہت بوڑھا ہو چکا ہے تو آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو روک لیجیے اور اس کو رہا کر دیجیے ہم آپ کو ایک نہایت محسن آدمی سمجھتے ہیں، امید ہے کہ آپ ہمیں اپنے احسان سے محروم نہ فرمائیں گے۔

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنۡ نَّاۡخُذَ اِلَّا مَنۡ وَّجَدۡنَا مَتَاعَنَا عِنۡدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوۡنَ (۷۹)

حضرت یوسفؑ کا جواب

حضرت یوسفؑ نے جواب دیا کہ اس بات سے اللہ کی پناہ کہ ہم اس کے سوا کسی کو پکڑیں جس کے پاس اپنی چیز پائی ہے۔ اگر ہم ایسا کریں تو ہم نہایت ظالم ٹھہریں گے۔ یہاں حضرت یوسفؑ کی یہ احتیاط ملحوظ رہے کہ وہ یہ نہیں فرماتے کہ ہم اس کے سوا کسی کو پکڑیں جس نے ہماری چیز چرائی ہے، بلکہ محتاط الفاظ میں یوں فرماتے ہیں کہ اس کے سوا کسی کو پکڑیں جس کے پاس اپنی چیز پائی ہے۔

فَلَمَّا اسۡتَاٴۡيۡـَٔسُوۡا مِنۡهُ خَلَصُوۡا نَجِيًّا‌ ؕ قَالَ كَبِيۡرُهُمۡ اَلَمۡ تَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اَبَاكُمۡ قَدۡ اَخَذَ عَلَيۡكُمۡ

مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ (۸۰)

بھائیوں کی مشورت

حضرت یوسفؑ کے مذکورہ بالا جواب کے بعد وہ ان کی طرف سے تو مایوس ہو گئے کہ وہ چھوڑنے والے نہیں ہیں۔ اب کیا کیا جائے؟ اس سوال پر غور کرنے کے لیے سب بھائی لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر مشورہ کے لیے بیٹھے۔ بڑے نے کہا کہ یاد رکھو کہ تمھارے باپ نے اللہ کا واسطہ دلا کر تم سے عہد لیا ہے اور اس سے پہلے یوسف کے معاملے میں جو تقصیر تم سے ہو چکی ہے وہ معلوم ہی ہے تو میں تو یہاں سے ٹلنے کا نہیں جب تک میرے والد مجھے اجازت نہ دیں یا اللہ میرے لیے کوئی فیصلہ نہ فرمائے۔ اور وہی بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے۔

اس امر میں اختلاف ہوا ہے کہ 'کَبِیْرُ' سے کون بھائی مراد ہے۔ عمر میں بڑا روبیل یا عقل و رائے میں بڑا یہوذا۔ ہمارے نزدیک لفظ 'کَبِیْرُ' جس طرح 'بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا' میں درجہ اور مرتبہ کی بڑائی کے لیے ہے اسی طرح یہاں بھی درجہ اور مرتبہ کی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ اگر مجرد عمر کی بڑائی کا اظہار مقصود ہوتا تو اس کے لیے 'اَكْبَرُهُمْ' کا لفظ موزوں ہوتا۔ اس وجہ سے اگر اس سے 'یہوذا' کو مراد لیا جائے تو یہ زیادہ اقرب ہے۔ تورات میں اسی کا نام آیا بھی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل میں حضرت یوسفؑ کے لیے کوئی نرم گوشہ تھا۔ غالباً اسی نے اس وقت جب حضرت یوسفؑ کے قتل کے مشورے ہو رہے تھے ان کو قتل کرنے کے بجائے کسی سرراہ کنوئیں میں ڈال دینے کا مشورہ دیا کہ کوئی راہ چلتا قافلہ اس کو نکال لے جائے گا، اس طرح ہم اس کے قتل کے گناہ سے بچ جائیں گے اور اس کو ٹھکانے لگانے میں بھی کامیاب ہو جائیں گے۔

اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ۝ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ (۸۱-۸۲)

'وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ' میں مضاف محذوف ہے۔ یعنی وَسْـَٔلْ اَهْلَ الْقَرْيَةِ۔

یہوذا نے بھائیوں کو یہ مشورہ دیا کہ میں تو یہاں سے کھسکتا نہیں البتہ تم لوگ اپنے باپ کے پاس جاؤ اور ان سے عرض کرو کہ آپ کے صاحبزادے نے چوری کی۔ جو کچھ ہمارے علم میں آیا ہے، ہم وہی کہہ رہے ہیں، ہم غیب کے عالم نہیں ہیں۔ ہم جس بستی میں ٹھہرے تھے اس کے لوگوں سے بھی پوچھ لیجیے اور جس قافلہ کے ساتھ ہم آئے ہیں اس سے بھی دریافت کر لیجیے، ہم اپنے بیان میں بالکل سچے ہیں۔

بھائیوں نے اسی مشورے پر عمل کیا اور آ کر باپ کو واقعہ کی رپورٹ دے دی۔ اب آگے حضرت یعقوبؑ کے تاثرات کا ذکر ہے۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (۸۳)

'تَسْوِیْل' کے معنی تزیین اور تسہیل کے ہیں۔ سَوَّلَ لَهُ الشَّيْطٰنُ، شیطان نے اس کو گمراہ کیا اور اس

کی نگاہوں میں کھپایا کہ فلاں کام کر گزرے۔ سَوَّلَتْ لَهُ نَفْسُهُ كَذَا اس کے نفس نے فلاں کام کو اس کے لیے آسان بنا دیا اور اس کی نگاہوں میں کھبا دیا۔

فَصَبْرٌ جَمِيلٌ، نکرہ موصوف یہاں مبتدا کے محل میں ہے اور خبر اس کی محذوف ہے۔ یعنی صبر جمیل ہی اس حالت میں اولیٰ اور اختیار کے لائق ہے۔ صَبْرٌ جَمِيلٌ اس صبر کو کہتے ہیں جو اظہار غم کے اوچھے طریقوں سے پاک ہو۔ واویلا اور ماتم و سرکوبی کے بعد تو سب ہی صبر کر لیتے ہیں، صبر جمیل ان لوگوں کے صبر کو کہتے ہیں جو غم کو اس طرح برداشت کرتے ہیں کہ نہ ان کی زبان کسی حرف شکایت سے آلودہ ہوتی نہ ان کے ہاتھ پاؤں سے کسی خلاف وقار حرکت کا صدور ہوتا۔

دو بیٹوں سے محرومی پر حضرت یعقوبؑ کے تاثرات

قَالَ، کا ظاہر مفہوم تو اگرچہ یہی ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے یہ بات بیٹوں کو خطاب کر کے فرمائی ہو لیکن یہ لفظ چونکہ دل میں کہنے کے لیے بھی آتا ہے اس وجہ سے میرا ذہن بار بار اس طرف جاتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں کی زبانی یہ غم انگیز خبر سن کر یہ بات ان کو خطاب کر کے نہیں بلکہ اپنے دل میں کہی کہ سب تمھارے اپنے نفس کا گھڑا ہوا افسانہ ہے تو صبر جمیل ہی اولیٰ اور احق ہے کہ اس کو اختیار کیا جائے۔ ساتھ ہی ان کے قلب روشن میں یہ امید بڑے زوروں سے ابھری کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس جمع کر دے گا، علیم و حکیم تو وہی ہے۔ جس طرح امس کی شدت بارش کی امید کو بڑھاتی ہے اسی طرح آزمائش کی شدت اللہ کی رحمت کی امید کو غذا اور قوت بخشتی ہے۔ خاصان خدا اس رمز سے آگاہ ہوتے ہیں کہ اللہ اپنے بندوں کو ان کی طاقت سے زیادہ نہیں آزماتا اس وجہ سے جب وہ دیکھتے ہیں کہ اب معاملہ ان کی طاقت سے باہر ہو رہا ہے تو وہ منتظر ہو جاتے ہیں کہ اب فتح باب میں زیادہ دیر نہیں ہے۔ حضرت یعقوبؑ نے جب دیکھا کہ یوسفؑ کے بعد وہ بن یامین اور یہوذا سے بھی محروم ہو گئے تو انھیں دفعۃً یہ روشنی نظر آئی کہ اب ان شاء اللہ سب کے جمع ہو جانے کا وقت قریب آگیا ہے۔ رہی یہ بات کہ یہ کیسے ہوگی تو اس کسے کا جواب صرف اسی کے پاس ہے جو تمام علم و حکمت کا مالک ہے۔ بندے کو چاہیے کہ وہ اسی علیم و حکیم پر بھروسہ رکھے۔

وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ (۸۴)

وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ، یعنی اس حادثہ کے بعد بیٹوں سے آزردہ اور الگ ہو کر وہ گوشہ میں بیٹھ گئے۔ اس تازہ حادثہ نے حضرت یوسفؑ کے غم کو مزید شدت سے تازہ کر دیا اور اس شدت غم میں ان کی زبان سے ہائے یوسفؑ! کے الفاظ بے ساختہ نکل گئے۔ شدت غم اور کثرت گریہ سے ان کی آنکھیں سفید پڑ گئیں اور ہر وقت سینہ میں غم دبائے رکھنے کے سبب سے وہ گھٹے گھٹے سے رہنے لگے۔ یہ واضح رہے کہ یہ ساری حالتیں ان کے تنہائی کے غم و الم کی بیان ہو رہی ہیں جس میں معاملہ تمام تر ان کے اور ان کے رب کے درمیان تھا۔ اس حقیقت کا انھوں نے اظہار بھی فرمایا ہے۔ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (میں اپنی پریشانی اور غم کا شکوہ اپنے اللہ ہی کے آگے کر رہا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے ان باتوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے) اپنے غم و الم کا اظہار اپنے رب کے آگے کرنا نہ صرف یہ کہ کوئی بری بات نہیں ہے بلکہ نہایت اچھی بات ہے۔ اس غم و الم کا باعث

یاس نہیں بلکہ امید ہوتی ہے۔ بندہ یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ جتنا ہی اپنے رب کے آگے روئے گا اتنا ہی اس کا رونا اس کی رحمت کو جوش میں لائے گا۔ رونا دھونا وہ ممنوع ہے جو دوسروں کے آگے ہو، جو امید کے بجائے یاس کا مظہر ہو اور جس میں انسان اپنی بے صبری کا اظہار اس طرح کرے جس سے ایمان اور توکل کا وقار مجروح ہو۔

یہ بات کچھ عجیب نہیں کہ اس تازہ حادثہ نے بھی حضرت یعقوبؑ کے دل میں حضرت یوسفؑ ہی کے غم کو ہرا کیا۔ اول تو بن یامین کے حادثہ کی نوعیت وہ نہیں تھی جو حضرت یوسفؑ کے حادثہ کی تھی، ثانیاً حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ سے جو دل لبستگی تھی وہ صرف بیٹے ہونے کے سبب سے نہیں تھی بلکہ اس میں اصلی دخل ان کی ان اعلیٰ صلاحیتوں کو تھا جن کی بنا پر حضرت یعقوبؑ ان سے اس درجہ محبت کرتے تھے کہ وہ اپنے تمام بھائیوں کے محسود بن گئے اور بالآخر اسی کے نتیجہ میں بھائیوں کے ہاتھوں انھیں نہایت زہرہ گداز آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔

غم و الم کی شدت اور رونے دھونے سے آنکھوں کا سفید ہو جانا کوئی مبالغہ کا اسلوب بیان نہیں ہے بلکہ بیان حقیقت ہے۔ غم اور گریہ سے پلکوں اور پتلیوں کی سیاہی بھی متاثر ہوتی ہے اور آنکھوں کے سرخ ڈورے بھی آہستہ آہستہ غائب ہو جاتے ہیں۔ لفظ کَظِیْم حضرت یعقوبؑ کے صبر کی تعریف کے لیے ہے کہ ہر وقت غم کو سینہ میں دبائے رکھنے کے سبب سے دم گھٹے گھٹے سے رہتے۔ یا اسفیٰ میں آخر کا الف یائے اضافت کا قائم مقام ہے۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ (۸۵)

'تَاللّٰهِ' عربی میں 'وَ' کی طرح 'تَ' بھی قسم کے لیے آتی ہے۔ 'تَفْتَؤُا' لا تزال کے معنی میں ہے۔ 'حَرَضٌ' اس شخص کو کہتے ہیں جو ہلاکت کے قریب پہنچ جائے اور از کار رفتہ ہو کے رہ جائے۔

باپ کو بیٹوں کی ملامت

سعادت مند بیٹوں نے یہ سب کچھ کر گزرنے کے بعد باپ کو نصیحت کرنی شروع کی کہ خدا کی قسم! آپ اسی طرح یوسفؑ کی یاد میں لگے رہیں گے یہاں تک کہ از کار رفتہ ہو کر رہ جائیں گے یا ہلاک ہی ہو جائیں گے۔ یہ ملحوظ رہے کہ اس نصیحت کا انداز اگرچہ بظاہر ہمدردانہ ہے لیکن در پردہ اس کے اندر بھی ان کا وہی جذبۂ حسد کارفرما ہے جو ان کے ان تمام اقدامات کا باعث ہوا جو اوپر مذکور ہوئے۔ انھوں نے تو حضرت یوسفؑ کو اس توقع پر ٹھکانے لگایا تھا کہ اس کے بعد باپ کی ساری توجہ ان پر مذکور ہو کے رہے گی لیکن اب ان کو نظر آیا کہ ان کی اس سعی نامراد کا نتیجہ بالکل الٹا نکلا۔ اب تک باپ کی توجہ اور نظر التفات کا کوئی گوشہ ان کو حاصل تھا تو اب وہ اس سے بھی محروم ہو گئے۔ انھوں نے دیکھا کہ باپ کا اس کے سوا کوئی کام ہی نہیں رہ گیا ہے کہ گوشۂ تنہائی میں یوسفؑ کو یاد کر کے روئیں اور اپنے رب سے استغاثہ اور فریاد کریں۔

قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۸۶)

'بث' کا بالکل ٹھیک ترجمہ پریشانی ہے۔

باپ کا جواب

حضرت یعقوبؑ نے جواب میں فرمایا کہ میرے اس غم و الم پر مجھے ملامت نہ کرو، میں اپنی پریشانی اور غم کا

شکوہ اپنے اللہ ہی سے کر رہا ہوں۔ کسی اور سے نہیں کر رہا ہوں۔ رونا دھونا وہ برا ہے جو خدا کے سوا کسی اور کے آگے ہو، اگر بندہ اپنے رب ہی کے آگے روتا ہے تو یہ کوئی برائی نہیں بلکہ یہ بھی عبادت ہے۔ اور یہ نہ سمجھو کہ میں یہ کوئی بے سود کام کر رہا ہوں۔ خدا کے معاملے میں تمھارا تجربہ اور ہے، میرا تجربہ کچھ اور ہے۔ میں خدا کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جن سے تم آشنا نہیں تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں اب رب کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں۔

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (۸۷)

جب بات یہاں تک پہنچ گئی کہ حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں کے سامنے اپنے دل کا یہ راز کھول دیا کہ وہ یوسفؑ کے باب میں اپنے رب کی رحمت سے مایوس نہیں ہیں تو صاف لفظوں میں ان سے نہایت پیار کے انداز میں یہ بھی کہہ دیا کہ اے میرے بیٹو جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کی ٹوہ لگاؤ اور خدا کی مشکل کشائی اور اس کی تائید و رحمت سے مایوس نہ ہو، اللہ کی تائید و رحمت سے صرف کافر ہی مایوس ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جی جان کی بازی لگا کر یہ کام کرو گے تو رحمت الٰہی کا ایک ہی جھونکا تمام مشکلیں آسان کر دے گا۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ (۸۸)

'ضر' کا مفہوم

'ضر' اس تکلیف کو کہتے ہیں جو بھوک اور قحط وغیرہ کے سبب سے پہنچتی ہے۔

'بِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ' ایسی پونجی جس کو کوئی قبول نہ کرے، حقیر، غیر مطلوب۔ اس لفظ کے استعمال سے ذہن اس طرف جاتا ہے کہ وہ قیمت ادا کرنے کے لیے نقد کے بجائے کوئی ایسی جنس لے کر گئے تھے جس کی کوئی خاص مانگ نہیں تھی۔

حضرت یوسفؑ کی خدمت میں دوبارہ حاضری

یہ اندازہ تو یہاں سے نہیں ہوتا کہ باپ کی اپیل کا ان پر کیا اثر پڑا لیکن غلہ کی ضرورت نے انھیں پھر مصر جانے پر مجبور کیا۔ وہاں جب حضرت یوسفؑ کے سامنے ان کی پیشی ہوئی تو انھوں نے بڑے رقت انگیز انداز میں اپنی خستہ حالی اور پریشانی کا ذکر کیا۔ حضرت یوسفؑ کو ان کے سرکاری خطاب 'عزیز' سے مخاطب کیا اور بولے کہ حضور ہم اور ہمارے اہل و عیال قحط کے سبب سے سخت تکلیف میں ہیں، ہم اب کے پونجی بھی نہایت حقیر ہی لے کر آئے ہیں لیکن ہماری درخواست یہ ہے کہ غلہ بھی ہمیں پورا پورا دیجیے اور مزید برآں ہمیں صدقہ بھی عنایت فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ صدقہ دینے والوں کو جزا عطا فرماتا ہے۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ (۸۹)

افشائے راز

حضرت یوسفؑ بھائی اور شریف بھائی تھے۔ بھائیوں کی اس بدحالی اور پریشانی اور ان کی اس لجاجت آمیز درخواست بالخصوص درخواست صدقہ نے ان کے دل کو ہلا دیا۔ یہ بڑے طنطنہ کے لوگ تھے لیکن اب حالات نے اس طرح ان کے اعصاب ڈھیلے کر دیے تھے کہ صدقہ کے لیے درخواست کرنے میں بھی انھیں عار نہ تھا۔ حضرت

یوسفؑ اس صورتِ حال سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ بیگانگی کا جو پردہ ان کے اور ان کے بھائیوں کے درمیان اب تک حائل تھا اس کو مزید برقرار رکھنا انھوں نے مناسب نہیں خیال فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ یوسفؑ اور اس کے بھائی کے ساتھ اپنی جہالت کے زمانے میں جو کچھ کر چکے ہو وہ کچھ تمھیں یاد ہے؟ لفظ 'جھل' یہاں بھی جذبات سے مغلوبیت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس کی تشریح ایک سے زائد مقامات میں ہم کر چکے ہیں۔

قَالُوٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِىْ ؗ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (۹۰)

حضرت یوسفؑ کی زبان سے لفظ یوسف نکلنا تھا کہ یہ لوگ بول پڑے کہ اچھا! آپ یوسفؑ ہی ہیں؟ ان کے اس فقرے سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ اس سے پہلے کی ملاقاتوں میں بھی چہرے، بشرے، انداز، اطوار سے انھیں یہ بات کھٹکتی رہی تھی کہ کہیں یہ یوسف تو نہیں ہیں؟ لیکن کنعان کے اس کنوئیں میں، جس میں انھوں نے حضرت یوسفؑ کو ڈالا تھا، اور اس تختِ حکومت میں، جس پر حضرت یوسفؑ اب فروکش تھے، اتنا بعد تھا کہ وہ یہ گمان نہیں کر سکتے تھے کہ یوسفؑ وہاں سے یہاں تک پہنچ سکتے ہیں۔ جن لوگوں کی نگاہ صرف ظواہر تک محدود رہتی ہے وہ قدرتِ الٰہی اور رحمتِ ربانی کے ان عجائب کا تصور نہیں کر سکتے۔ چنانچہ جب جب ان کا ذہن اس طرف گیا کہ ان میں بہت سی جھلکیاں یوسفؑ کی ہیں تو اس کو وہ محض واہمہ کی کرشمہ سازی سمجھ کر دل سے نکالتے رہے لیکن اب جب کہ حضرت یوسفؑ کا مذکورہ بالا فقرہ کانوں میں پڑا تو وہ پکار اٹھے کہ اچھا آپ یوسف ہی ہیں؟ حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ جی ہاں! میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر اپنا فضل فرمایا۔ جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور اس پر خوبی کے ساتھ ثابت قدم رہتے ہیں تو اللہ ایسے خوب کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ دنیا میں بھی ان کو اپنے فضل سے نوازتا ہے اور آخرت میں بھی اس کا بھرپور صلہ عطا فرمائے گا۔

یہی حقیقت اس ساری سرگزشت کی روح ہے اور ہم شروع میں عرض کر چکے ہیں کہ اسی کو اس سورہ کے عمود کی حیثیت بھی حاصل ہے۔ 'احسان' کا لفظ یہاں تقویٰ اور صبر کی بنیادی شرط کی حیثیت سے مذکور ہوا ہے یعنی عند اللہ مقبول تقویٰ اور صبر وہ ہے جس کے اندر 'احسان' کی روح ہو یعنی بندہ اس طرح تقویٰ اور صبر کا حق ادا کرے گویا وہ خدا کو دیکھ رہا ہے اور یہ یقین رکھے کہ اگر وہ خدا کو نہیں دیکھ رہا ہے تو خدا تو بہرحال اس کو دیکھ رہا ہے۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ (۹۱)

'ایثار' کے معنی ترجیح اور فضیلت دینے کے ہیں۔

اعترافِ حق

اس مرحلہ میں آکر انھوں نے خدا کی قسم کھا کر اقرار کیا کہ بے شک خدا نے آپ کو ہم پر فضیلت دی اور ہم غلطی پر تھے۔ لیعنی ہم نے اس غم و غصہ میں یہ سارے پاپڑ بیلے کہ ہمارے باپ ہمارے مقابل میں کیوں آپ کو

خاص مہر و محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اب خود اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر کھلی ہوئی فضیلت دے کر ہم پر ہماری غلطی واضح فرما دی۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کو جو فضیلت حاصل ہوئی آپ اس کے سزاوار تھے اور ہم نے جو کچھ کیا ہم اس میں غلطی پر تھے۔

قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ (۹۲)

حضرت یوسفؑ کا عفو و کرم

'تثریب' کے معنی کسی کو اس کے کسی قابل ملامت فعل پر ملامت کرنے کے ہیں۔ اگر سچے احساس ندامت کے ساتھ کوئی شخص اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتا ہے تو ایک کریم بن کریم اس کو معاف ہی کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اس کی معافی کی امید ہوتی ہے اس لیے کہ وہ تمام مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔ حضرت یوسفؑ نے جب یہ محسوس فرما لیا کہ یہ لوگ سچے دل سے اپنی غلطی کے معترف ہیں تو انھوں نے نہایت فیاضی سے ان کو معاف فرما دیا کہ اب آپ لوگوں پر کوئی الزام نہیں اور خدا کے ہاں بھی ان کو معافی کی امید دلائی۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہی الفاظ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن قریش کے ان سرغنوں کو خطاب کر کے فرمائے جو برابر آپ کی دشمنی میں سرگرم رہے تھے۔ جب یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے سوال کیا کہ تم جانتے ہو کہ میں تمھارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟ وہ بولے کہ آپ شریف بھائی اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں، آپ نے فرمایا کہ میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی، اب تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ تم آزاد ہو۔

اذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَٰذَا فَأَلْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ (۹۳)

پیراہن یوسف کی کرامات

جس ضعف بصارت کا سبب غم و الم اور گریہ و زاری ہو، جیسا کہ آیت ۸۴ میں گزر چکا ہے، اس کا واحد علاج یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز سامنے آئے جو نہ صرف اس سارے غم و الم کو دھو کر صاف کر دے بلکہ اس کی لائی ہوئی خوشی رگ رگ میں ایک حیات تازہ دوڑا دے۔ حضرت یوسفؑ کو بنیامین کے ذریعہ سے باپ کا سارا حال معلوم ہو چکا تھا کہ روتے روتے ان کی آنکھیں سفید پڑ چکی ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنا کرتا بھائیوں کو دیا کہ اس کو لے جاؤ، میرے باپ کے منہ پر اس کو ڈال دینا، اس سے ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ حضرت یعقوبؑ کے سامنے زندگی کا سب سے بڑا غم بھی پیراہن یوسف ہی کی شکل میں آیا تھا جب کہ بھائیوں نے اس پر خون لگا کر بوڑھے باپ کے سامنے پیش کیا کہ یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا اور اب زندگی کی سب سے بڑی خوشی بھی پیراہن یوسفؑ ہی کی شکل میں نمودار ہونے والی تھی۔

حضرت یوسفؑ نے اپنے جسم سے مس کیا ہوا کرتا ہی اپنی نشانی کے طور پر کیوں بھیجا؟ اور کرتے میں یہ اثر کہاں سے آیا کہ اس سے بصارت عود کر آئے؟ یہ سوالات نہ ہر شخص کے حل کرنے کے ہیں اور نہ اس کا حل ہر شخص کی سمجھ میں آ سکتا ہے۔ ان چیزوں کا تعلق جذبات سے ہے اور جذبات بھی ایسے عالی مقام لوگوں کے کہ ایک طرف حضرت یعقوبؑ ہیں، دوسری طرف حضرت یوسفؑ۔ ہم عامی اس طرح کے معاملات میں اس سے

زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے کہ سچے جذبات کی تاثیر و تاثر کے کرشمے ایسی حیرت انگیز صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں کہ عقل ان کی توجیہ سے بالکل قاصر رہ جاتی ہے۔

وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ بھائیوں کو حضرت یوسفؑ نے یہ ہدایت بھی فرمائی کہ اپنے اہل و عیال سمیت سب یہاں آجاؤ۔ والدین کا ذکر غایت وضاحت کی وجہ سے حذف ہے۔ ظاہر ہے کہ اصل مقصود تو انہی کو بلانا تھا۔ بقیہ سارے تو ان کے توابع کی حیثیت رکھتے تھے۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَنْ تُفَنِّدُونِ (۹۴)

'فَصَلَ فُصُولًا' کے معنی کسی جگہ سے چلنے اور نکلنے کے ہیں اور 'تَفْنِيد' کے معنی ہیں کسی کو خرف اور بے وقوف سمجھ کر اس کی رائے اور بات کو بے وزن اور غلط قرار دینا۔

پیراہن یوسف کی خوشبو

ادھر قافلہ مصر سے روانہ ہوا ادھر حضرت یعقوبؑ نے اپنے گرد و پیش والوں سے فرمایا کہ اگر تم لوگ مجھے خبطی نہ قرار دو تو میں یہ کہوں کہ میں یوسفؑ کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔ شدت توجہ عام حالات میں بھی آدمی کے حواس کی قوت میں بہت اضافہ کر دیتی ہے۔ یہاں تو معاملہ بھی خاص نوعیت کا ہے اور قوت حاسہ بھی حضرت یعقوبؑ جیسے پیغمبر کی ہے۔ اس وجہ سے اس بات پر ذرا تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ حضرت یعقوبؑ نے اتنی دور سے پیراہن یوسفؑ کی خوشبو محسوس کر لی۔ انبیاء کے قویٰ اور حواس کو اپنے قویٰ اور حواس پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ خاص ہوتا ہے۔

فلسفی کو منکر حنانہ است
از حواس انبیاء بیگانہ است

قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ (۹۵)

اس پر سننے والوں نے وہی کہا جس کا حضرت یعقوبؑ نے اندیشہ ظاہر کیا تھا۔ وہ بولے کہ آپ اب تک اپنے اسی خبط میں مبتلا ہیں جس میں پہلے مبتلا تھے۔

فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَىٰ وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا ۖ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (۹۶)

'فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ' میں 'اَنْ' سے پہلے ایک فعل محذوف ہے۔ یعنی یہ بات واقع ہوئی کہ خوشخبری دینے والا پہنچا تو یوسفؑ کا کرتا اس نے حضرت یعقوبؑ کے چہرے پر ڈال دیا اور ان کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ انھوں نے فرمایا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں خدا کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے۔ یہ اس بات کا حوالہ ہے جو پیچھے آیت ۸۶ میں گزر چکی ہے۔ جو بات انھوں نے فرمائی تھی جب وہ واقعہ کی شکل میں ظہور میں آگئی تو انھوں نے اس پر اظہار مسرت بھی فرمایا اور بیٹوں کو یہ تعلیم بھی دی کہ وہ صرف ظاہر کے غلام بن کر زندگی نہ گزاریں بلکہ اس ظاہر کے اندر خدا کے مخفی ہاتھوں کی جو کارفرمائیاں ہیں ان پر بھی

ایمان رکھیں۔ اس کے بغیر خدا پر ایمان و توکل کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ (۹۷)

یہ سب کچھ دیکھ لینے کے بعد بیٹوں کو اپنی نادانیوں کا احساس ہوا اور انھوں نے جس طرح حضرت یوسفؑ کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کیا، جس کا ذکر آیت ۹۱ میں گزر چکا ہے، اسی طرح باپ کے سامنے بھی غلطی کا اعتراف کیا اور ان سے درخواست کی کہ آپ ہمارے گناہوں کی معافی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔

باپ سے استغفار کی درخواست

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (۹۸)

حضرت یعقوبؑ نے ان کی یہ استدعا قبول فرمائی اور ان سے وعدہ کیا کہ میں عنقریب تمہارے لیے اپنے رب سے گناہوں کی معافی کے لیے دعا کروں گا۔ 'سَوْفَ' کا لفظ یہاں اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے ان کے لیے خاص اہتمام کے ساتھ، خاص وقت میں، دعا کا وعدہ فرمایا۔ یہ کہ کر ان کو ٹالنے کی کوشش نہیں کی کہ جاؤ، اللہ تمھیں معاف فرمائے۔ اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ آدمی کا دل اگر خود اپنے گناہوں پر پشیمان ہو تو اس کو صالحین سے دعا کی درخواست بھی کرنی چاہیے اور اس کے حق میں صالحین کی دعا قبول بھی ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ یوں تو بندہ ہر وقت اپنے رب سے دعا کر سکتا ہے لیکن خاص اہتمام، خاص وقت اور خاص جگہ بھی اس کی قبولیت کے معاملے میں ایک موثر چیز ہے۔

ہر سخن جائے و ہر نکتہ مکانے دارد

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ (۹۹)

یہاں قرینہ کی موجودگی کے سبب سے اتنی بات محذوف ہے کہ یہ لوگ حضرت یوسفؑ کے ارشاد کی تعمیل میں اپنے والدین اور اہل و عیال سمیت مصر پہنچے۔ مصر پہنچ کر جب حضرت یوسفؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے اپنے والدین کو خاص اپنے پاس جگہ دی اور ان سب لوگوں کا خیر مقدم کیا۔ 'اُدْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ' خیر مقدم کا جملہ ہے یعنی مصر میں داخل ہو جیسے، یہ داخلہ انشاء اللہ امن و اطمینان کا موجب ہوگا۔ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے شہر سے باہر نکل کر ان لوگوں کا خیر مقدم کیا اور اس شان سے ان لوگوں کو شہر میں لائے کہ ایک جشن کی صورت پیدا ہو گئی۔

حضرت یوسفؑ کی خدمت میں حاضری

'اَبَوَيْهِ' کا لفظ یہاں علی سبیل التغلیب استعمال ہوا ہے اس لیے کہ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کی پرورش سوتیلی ماں نے کی تھی جو ان کی حقیقی خالہ بھی تھیں۔

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ؗ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (۱۰۰)

'عَرْش' سے مراد یہاں تختِ شاہی نہیں بلکہ وہ تخت ہے جس پر حضرت یوسفؑ فصلِ مقدمات وغیرہ کے لیے فروکش ہوا کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے اس دور میں وزراء اور اعلیٰ حکام تخت ہی پر بیٹھتے تھے۔

'خَرُّوْا' کے معنی اوپر سے نیچے کی طرف گرنے اور 'سُجَّدًا' کے معنی فرماں بردارانہ جھکنے کے ہیں پیشانی زمین پر ٹیکنا اس کے لیے لازم نہیں بلکہ یہ اس کی تکمیلی صورت ہے جب اس کے ساتھ 'خَرَّ' کا لفظ آئے تو اس کے معنی بے اختیارانہ جھک پڑنے کے ہوں گے، عام اس سے کہ یہ جھک پڑنا صرف جھک پڑنے کی حد تک ہو یا پیشانی زمین پر ٹیک دینے کی حد تک۔ جس عہد کا یہ واقعہ ہے تورات وغیرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بڑوں کی تعظیم کے لیے یہ طریقہ معروف رہا ہے لیکن اس کی صورت زمین پر پیشانی ٹیک دینے کی نہیں بلکہ جھک پڑنے کی تھی۔ اور اگر کوئی شخص اس سجود سے اصطلاحی سجدہ ہی مراد لے جب بھی کوئی خاص فرق نہیں پڑتا کیونکہ سجدہ بجائے خود شرک نہیں بلکہ شرک کے اشباہ و توالب میں سے ہے اور یہ اشباہ و توالب حتمی طور پر آخری اور کامل دین یعنی اسلام میں حرام ہوئے۔

حضرت یوسفؑ نے اپنے والدین کو تعظیماً تخت پر جگہ دی بقیہ لوگ حسبِ دستور عام لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ پر بیٹھے ہوں گے۔ اس کے بعد معلوم ہوتا ہے حضرت یوسفؑ نمودار ہوئے اور قاعدے کے مطابق ان کے خدم و حشم ان کی تعظیم کے لیے جھکے تو ماحول سے متاثر ہو کر یہ لوگ بھی بے اختیارانہ ان کی تعظیم کے لیے جھک پڑے۔

خواب کی تعبیر

'وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا' 'يٰٓاَبَتِ' میں 'ت' 'ی' کی قائم مقام ہے۔ حضرت یوسفؑ نے یہ منظر دیکھا تو انھیں اپنا وہ خواب یاد آگیا جو انھوں نے پہلے دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ انھوں نے والد ماجد کو مخاطب کر کے فرمایا کہ والد ماجد! یہ ہے میرے اس خواب کی تعبیر جو میں نے پہلے دیکھا تھا، میرے رب نے اس کو سچ کر دکھایا۔ اس کے بعد حضرت یوسفؑ نے اپنی جیل سے رہائی اور ایک مدت کی جدائی کے بعد ماں باپ اور بھائیوں کی یک جائی پر اپنے رب کا شکر ادا کیا۔

'اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ' یعنی میرا رب جس کام کو کرنا چاہتا ہے اس کے لیے اپنے علم اور اپنی حکمت سے ایسی باریک راہیں نکال لیتا ہے کہ اس کا سان گمان بھی نہیں ہوتا۔ حضرت یوسفؑ کی یہ پوری سرگزشت اس حقیقت کی ایک عظیم شہادت ہے۔

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (۱۰۱)

حضرت یوسفؑ کا دل یہ منظر دیکھ کر خدا کی حمد و سپاس میں ڈوب جاتا ہے۔ وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہیں کہ حکومت بھی تو ہی نے مجھے عطا فرمائی اور خوابوں کی تعبیر کا علم بھی تو ہی نے بخشا، اے آسمانوں اور زمین کے خالق دنیا اور آخرت دونوں میں میرا کارساز اور مددگار تو ہی ہے۔ مجھے اسلام پر وفات دینا اور مجھے صالحین کے زمرے میں داخل کرنا۔

۱۰-آگے کا مضمون —— آیات ۱۰۲-۱۱۱

خاتمۂ سورہ

اب یہ خاتمۂ سورہ کی آیات ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے آپ کو تسلی دی گئی ہے اور ساتھ ہی قریش کو دھمکی ہے کہ اگر انھوں نے قوموں کی تاریخ سے سبق نہ لیا تو اس انجام سے دوچار ہونے کے لیے تیار رہیں جس سے پچھلی قومیں دوچار ہو چکی ہیں —— آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۱۰۲-۱۱۱

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ حَتّٰٓي اِذَا اسْتَيْــَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۭ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

ع ۱۱ / ۵

رُبع النبی علیہ السلام

ع ۱۲ / ۶

ترجمۂ آیات ۱۰۲-۱۱۱

یہ سرگزشت غیب کی خبروں میں سے ہے جس کی ہم تمھاری طرف وحی کر رہے ہیں اور تم تو ان کے پاس اس وقت موجود نہیں تھے جب کہ انھوں نے اپنی رائے پختہ کی اور وہ سازش کر رہے تھے۔ ۱۰۲

اور ان لوگوں میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں خواہ تم ان کے ایمان کی کتنی ہی حرص کرو۔ اور تم اس پر ان سے کوئی معاوضہ تو نہیں طلب کر رہے ہو۔ یہ تو بس دنیا والوں کے لیے ایک یاددہانی ہے۔ اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ گزرتے ہیں تو ان سے منہ موڑے ہوئے اور ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر اس طرح کہ ساتھ ہی اس کے شریک بھی ٹھہرائے ہوئے ہیں۔ کیا یہ لوگ اس بات سے نچنت ہیں کہ ان پر عذاب الٰہی کی کوئی آفت یا قیامت ہی اچانک آدھمکے اور وہ اس سے بالکل بے خبر ہوں۔ ۱۰۳-۱۰۷

کہہ دو، یہ میری راہ ہے۔ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، پوری بصیرت کے ساتھ، میں بھی اور وہ لوگ بھی جنھوں نے میری پیروی کی ہے اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ ۱۰۸

اور ہم نے تم سے پہلے بھی نہیں بھیجے مگر آدمی ہی انہی بستیوں والوں میں سے، ہم ان کی طرف وحی کرتے تھے۔ کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے اور دار آخرت ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا تو کیا تم سمجھتے نہیں۔ یہاں تک کہ جب یہ نوبت آگئی کہ رسول اپنی قوموں سے مایوس ہو گئے اور لوگوں نے یہ گمان کیا کہ ان کو جھوٹ موٹ ڈراوے سنائے گئے تو ان کو ہماری مدد آپہنچی۔ پس نجات ملی ان کو جن کو ہم نے چاہا اور مجرموں سے ہمارے عذاب کو ٹالا نہیں جا سکتا۔ ان کی سرگزشتوں میں اہل عقل کے لیے بڑا سامان عبرت ہے۔ یہ کوئی گھڑی ہوئی چیز نہیں بلکہ تصدیق ہے اس چیز کی جو اس سے پہلے موجود ہے اور تفصیل

ہے ہر چیز کی اور ہدایت و رحمت ہے ایمان لانے والوں کے لیے۔ ۱۰۹-۱۱۱

۱۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ (۱۰۲)

'ذٰلِكَ' کا اشارہ اسی سرگزشت کی طرف ہے جو سنائی گئی۔ فرمایا کہ یہ غیب کی خبروں میں سے ہے یعنی یہ تمھارے علم و اطلاع سے بالکل باہر کی چیز ہے، نہ تمھیں اس کا کوئی علم تھا اور نہ اس کے معلوم کرنے کا تمھارے پاس کوئی ذریعہ ہی تھا۔ یہ صرف اللہ کا فضل ہے کہ اس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے تمھیں آگاہ فرمایا، ورنہ تم کہیں اس وقت یوسفؑ کے بھائیوں کے پاس موجود تو تھے نہیں جب وہ یوسفؑ کے خلاف سازش کر رہے تھے، کسی کی رائے کچھ تھی کسی کی کچھ، بالآخر اس رائے پر سب کا اتفاق ہو گیا کہ ان کو کسی کنوئیں میں ڈال دیا جائے۔

یہ امر بیاں ملحوظ رہے کہ تورات میں حضرت یوسفؑ کا قصہ اگرچہ ہے بھی تو آنحضرت صلعم کے لیے اس سے واقف ہونے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اس لیے کہ آپ اُمّی تھے۔ پھر تورات کے بیان اور قرآن کے بیان میں قدم قدم پر اختلاف ہے اور ان تمام اختلافات پر جو شخص بھی غور کرے گا وہ یہ تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ قرآن کا بیان بالکل عقل و فطرت کے مطابق ہے اس لیے کہ یہ براہِ راست وحیِ الٰہی پر مبنی ہے۔

وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ (۱۰۳)

منکرین کے اعراض کی اصل علت

یعنی طبیعتوں میں اگر حق کو قبول کرنے کی رغبت اور صلاحیت ہو تو قرآن کے وحیِ الٰہی ثابت کر دینے کے لیے یہی ایک چیز کافی ہے۔ یہود و نصاریٰ کے لیے بھی اس میں حجت ہے اور قریش کے لیے بھی، لیکن ان لوگوں کے دلوں میں حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہ گئی ہے۔ اس وجہ سے خواہ تم ان کے ایمان و ہدایت کی طمع میں کچھ ہی کر ڈالو ان کی اکثریت ایمان سے محروم ہی رہے گی۔ ان کے ایمان نہ لانے کا سبب یہ نہیں ہے کہ ان کے سامنے قرآن کا کتابِ الٰہی ہونا واضح نہیں ہے بلکہ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ ان کے اندر حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی مردہ ہو چکی ہے۔

وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (۱۰۴)

آنحضرت صلعم کو تسلی

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے کہ اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو ان کے پیچھے آخر اپنے آپ کو اتنا پریشان کیوں رکھو۔ تم یہ نعمت مفت بانٹ رہے تھے، اس کا کوئی معاوضہ تو ان سے طلب نہیں کر رہے تھے کہ انھوں نے اس کو قبول نہ کیا تو اس سے تمھارے معاوضے میں کوئی کمی ہو جائے گی۔ محرومی ہے تو ان کی نہ کہ تمھاری۔ یہ قرآن تو بس خلق کے لیے ایک یاددہانی ہے، جو اس کو قبول کرے گا اس کا فائدہ اسی کے لیے ہے، جو نہ قبول کرے گا اس کا خمیازہ وہ خود بھگتے گا۔ تمھاری ذمہ داری بس لوگوں تک اس کو پہنچا دینے کی ہے۔ اس کے بعد تم سبکدوش ہو۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ (۱۰۵)

نشانیوں کے مطالبہ کا جواب

یعنی ان کے ایمان نہ لانے میں اس چیز کو بھی کوئی دخل نہیں ہے کہ ان کے طلب کے مطابق ان کو کوئی نشانی نہیں دکھائی جاتی۔ اصل یہ ہے کہ نشانیوں کو دیکھنے اور ان سے عبرت حاصل کرنے والی آنکھیں ہی ان کے پاس موجود نہیں ہیں، ورنہ آسمان و زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ گزرتے ہیں، اگر ان کے پاس آنکھیں ہوتیں تو یہ ان کو دیکھتے اور ان سے عبرت حاصل کرتے۔ مطلب یہ ہے کہ اس پہلو سے بھی نہ قصور تمہارا ہے اور نہ قرآن کا بلکہ اصل بیماری خود ان کے اپنے اندر ہے کہ وہ آنکھیں کھول کر کسی چیز کو دیکھنے ہی کے لیے تیار نہیں ہیں۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ قرآن جب ان کو یہ خبر دیتا تھا کہ اگر وہ رسول پر ایمان نہ لائے تو ان پر اللہ کا عذاب آجائے گا تو اس کا جواب وہ یہ دیتے تھے کہ آخر اس عذاب کی کوئی نشانی ہمیں دکھا کیوں نہیں دی جاتی۔ یہ اسی کا جواب ہے کہ اگر وہ آنکھیں کھول کر دیکھیں تو ان کے گرد و پیش میں اس کی بہت سی نشانیاں ہیں لیکن یہ تو اسی کو نشانی سمجھتے ہیں جو ان پر آدھمکے۔

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ (۱۰۶)

ایمان نہ لانے کی ایک اور وجہ

یہ ان کے قرآن پر ایمان نہ لانے کی ایک اور بڑی وجہ واضح کی گئی ہے کہ ان میں جو اللہ کو مانتے بھی ہیں وہ اللہ کے ساتھ بہت سے شرکاء اور شفعاء کو بھی مانتے ہیں اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر اللہ ان کی کسی بات پر گرفت کرنا چاہے گا بھی تو یہ شرکاء اور شفعاء ان کو خدا سے بچالیں گے۔ اس ضلالت کی موجودگی میں قرآن کے ڈراوے ان پر کیا اثر کر سکتے ہیں۔

اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (۱۰۷)

یہ سوال انذار و تنبیہ کے لیے ہے کہ کیا وہ اپنے شرکاء اور شفعاء پر اعتماد کر کے اس بات سے نچنت ہو بیٹھے ہیں کہ ان پر عذاب الٰہی کی کوئی ایسی آفت آئے جو ان سب کو اپنے لپیٹ میں لے لے یا قیامت ہی اچانک آدھمکے اور ان کو اس کی کوئی خبر بھی نہ ہو؟ مطلب یہ کہ اگر یہ چیز ہے تو بس ان کی شامت ہی آئی ہوئی ہے۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣعَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۱۰۸)

شرک سے اعلانِ براءت

ان کی تمام بیماریوں کی جڑ یہ شرک ہی تھا اس وجہ سے جب اس کا ذکر آگیا تو پیغمبر کی زبان سے پوری وضاحت کے ساتھ اس سے براءت کا اعلان کرا دیا گیا۔ فرمایا ان سے کہہ دو کہ میری راہ یہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، پوری بصیرت کے ساتھ، میں بھی اور وہ لوگ بھی جنھوں نے میری پیروی کی ہے یعنی جس طرح میں اللہ ہی کی طرف بلاتا ہوں اسی طرح میرے پیرو بھی اللہ ہی کی طرف بلاتے ہیں اور ہم سب اس بات میں حجت و بصیرت

اور دلیل و برہان کی پوری روشنی اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اس معاملے میں ہم سے کوئی یہ توقع نہ رکھے کہ ہم کسی قسم کی نرمی برتنے کے لیے تیار ہوں گے یا کوئی تذبذب گوارا کریں گے۔ اللہ شرک کی تمام آلائشوں سے پاک اور منزہ ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ یعنی ان سے اپنی برأت کا اعلان کرتا ہوں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۱۰۹)

ان کے رسول بنانے پر اعتراض

یہ ان کے ایک اور اعتراض کو، جو وہ ایمان نہ لانے کے بہانے کے طور پر پیش کیا کرتے تھے، رفع فرمایا۔ آدمیوں میں سے ان کا اعتراض یہ تھا کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہم اپنے ہی اندر کے ایک آدمی کو، جو ہمارے ہی اندر پیدا ہوا، ہمارے ہی اندر رہا سہا اور جوان ہوا، اللہ کا رسول مان لیں۔ اگر اللہ کو کوئی رسول ہی بھیجنا ہوتا تو کسی برتر مخلوق یعنی کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے اس کا جواب دیا کہ تم سے پہلے بھی جو رسول بھیجے بلا استثنا وہ سب آدمیوں ہی میں سے بھیجے، فرشتوں یا جنات میں سے نہیں بھیجے، اور انہی بستیوں والوں میں سے بھیجے جن کو دعوت دینے پر وہ مامور کیے گئے، باہر والوں سے نہیں بھیجے۔ اگر ان کو کوئی امتیاز حاصل تھا تو یہ نہیں تھا کہ وہ کوئی برتر یا انوکھی یا اجنبی مخلوق تھے بلکہ یہ تھا کہ وہ خدا کی وحی سے مشرف تھے۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ..... الآیۃ یعنی اگر اپنے ہی ملک میں وہ آنکھیں کھول کر چلتے پھرتے ہوتے تو انھیں مذکورہ بالا حقیقت کا بھی ثبوت مل جاتا اور عاد، ثمود، مدین وغیرہ کے آثار سے یہ بات بھی ان پر واضح ہو جاتی کہ جن لوگوں نے ان رسولوں کی تکذیب کی ان کا انجام کیا ہوا اور جو لوگ ان پر ایمان لائے ان کو اس کا کیا صلہ ملا اور اہل ایمان کے لیے صلہ کی اصلی جگہ تو آخرت ہے جو اس سے کہیں بڑھ کر ہے تو کیا تم لوگ سوچتے نہیں؟

حَتّٰٓي اِذَا اسْتَيْــــَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ (۱۱۰)

عذابِ الٰہی کے بارے میں سنتِ الٰہی

اب یہ کفار کی جلد بازی کے جواب میں کہ اگر پیغمبر ہم کو عذاب سے ڈراتے ہیں تو یہ عذاب آ کیوں نہیں جاتا، اللہ تعالیٰ نے اس باب میں اپنی سنت کی وضاحت فرما دی کہ اللہ عذاب بھیجنے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے رسولوں کے ذریعے سے لوگوں پر اپنی حجت پوری کرتا ہے۔ عذاب اس وقت آتا ہے جب اللہ کے رسول اپنی قوموں کے ایمان سے مایوس ہو جاتے ہیں اور ان کی قوم کے لوگ عذاب کی تاخیر کے سبب سے یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ ان پر جھوٹ موٹ عذاب کی دھونس جمائی گئی تھی۔ فرمایا کہ اس وقت ہمارے رسولوں کے لیے ہماری مدد ظہور میں آتی ہے تو ہم جس کو چاہتے ہیں اس کو نجات ملتی ہے اور مجرموں سے ہمارے عذاب کو کوئی طاقت ٹال نہیں سکتی۔

لَقَدۡ كَانَ فِىۡ قَصَصِهِمۡ عِبۡرَةٌ لِّاُولِى الۡاَلۡبَابِ‌ؕ مَا كَانَ حَدِيۡثًا يُّفۡتَرٰى وَلٰـكِنۡ تَصۡدِيۡقَ الَّذِىۡ بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَتَفۡصِيۡلَ كُلِّ شَىۡءٍ وَّهُدًى وَّرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ (۱۱۱)

قرآن کی اصلی حقیقت

یعنی پچھلے انبیاء اور ان کی قوموں کی سرگزشتوں میں اہلِ عقل کے لیے بڑا سامان عبرت موجود ہے بشرطیکہ یہ عقل سے کام لیں اور ان سرگزشتوں کو صرف دوسروں کی حکایت سمجھ کر نہ سنیں بلکہ ان سے خود اپنی زندگی کو درست کرنے کے لیے سبق حاصل کریں۔ یہ قرآن کوئی من گھڑت کہانی نہیں ہے بلکہ جو پیشینگوئیاں اور جو حقائق آسمانی کتابوں میں پہلے سے موجود ہیں یہ ان کی تصدیق، ہر متعلق چیز کی تفصیل، آغاز کے اعتبار سے رہنمائی اور انجام کے اعتبار سے رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائیں۔

یہ آخری سطریں ہیں جو اس بے مایہ کو اس سورہ کی تفسیر میں لکھنے کی توفیق حاصل ہوئی۔ وَاٰخِرُ دَعۡوٰنَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ۔

لاہور

۱۷ر جون ۱۹۷۰ء

۲۱ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ